او رے پیا

نادیہ احمد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نادیہ احمد



مکمل ناول

رات گہری سیاہ تھی۔ ہلکی بوندا باندی کے بعد حبس بڑھ گیا تھا۔ آسمان پہ آخری راتوں کا چاند اداس تھا۔ چار سو خاموشی کا راج تھا۔ کچھ دیر پہلے والی گہما گہمی اب سناٹے میں بدل چکی تھی۔ لگتا تھا سب تھک کر سو چکے ہیں۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس نے مین گیٹ کی طرف نگاہ کی۔ چوکیدار اپنے کیبن میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ رکھوالی والے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں۔ مہمانوں کی وجہ سے انہیں کھلا نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اپنے ریشمی لبادے پہ سیاہ سوتی چادر اوڑھے وہ دبے پاؤں چلتی باہر آئی۔ سانس کی بھی آواز کے بغیر اس نے مین گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا۔ گھر میں اتنے مہمان اور ملازم تھے کہ چوکیدار اگر اس وقت جاگ بھی رہا ہوتا تو اسے نہ روکتا۔ بہت احتیاط، بہت خاموشی سے چلتی وہ نپے تلے قدم اٹھاتی، اب حویلی سے دور جارہی تھی۔ جب پوری طرح تسلی ہوگئی کہ کسی نے اسے دیکھا بھی نہیں اور کوئی اس کے پیچھے نہیں آرہا تھا اس نے تقریباً" دوڑ لگا دی۔ وہ اب مین روڈ تک پہنچ گئی تھی۔

درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر سنسان سڑک پہ یہاں وہاں نظریں دوڑاتے وہ اس کی منتظر تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پتا نہیں اسے دیر کیوں ہورہی تھی۔ جگہ تو یہ ہی طے ہوئی تھی، پھر وہ اب تک پہنچا کیوں نہیں تھا۔ ان ہی سوچوں میں گم وہ پریشانی و اضطراب کے عالم میں درخت کی اوٹ سے نکل کر سڑک کے کنارے تک پہنچی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ عین اسی لمحے ایک گاڑی کی تیز لائٹوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ امید کی کرن اس کی آنکھوں میں جگمگائی۔ گاڑی کی رفتار سست ہوئی اور وہ بالکل اس کے سامنے جاکر رکی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ڈرائیور کو دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔



وہ صبح کا نکلا ہوا تھا۔ اگر کام کی نوعیت ایمرجنسی نہ ہوتی تو شہر کا چکر وہ چند دن کے لیے موخر کرسکتا تھا۔ فیکٹری کے معاملات نپٹا کر وہ شہرینہ کی دی ہوئی لسٹ کے مطابق شاپنگ کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اس کا رخ شہر کے سب سے بڑے شاپنگ مال کی طرف تھا۔ اپنے اندازے کے مطابق وہ یہاں سے سیدھا مظفر گڑھ نکلے گا اور بہت سے بہت نو دس بجے تک گھر پہنچ جائے گا، لیکن انسان جیسا سوچتا ہے لازمی نہیں ہمیشہ ویسا ہی ہو۔ انسان اپنی پلاننگ میں منزل پہ پہنچنے کا تو سوچتا ہے، پر راہ میں آئی مشکلات اس کو کہاں سے کہاں لے جائیں ان کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ شاپنگ مال سے ڈھیروں سامان خرید کر وہ اب خوش گوار موڈ میں گھر واپس جارہا تھا۔ پچھلے چند دن بہت ہیجان خیز گزرے تھے۔



اس کی خواہش کے مطابق تمام مسائل حل ہو چکے تھے۔ جو بات ایک بہت بڑا وبال بن سکتی تھی۔ اس کو اللہ کی مہربانی سے اس نے بہت خوش اسلوبی سے حل کر لیا تھا، پھر یہاں ایک مقام ایسا بھی آیا تھا جو اسے سر سے پاؤں تک ہلا گیا تھا۔ اس کے لیے یہ صورت حال ناقابل قبول تھی پر پیچھے ہٹنے کی صورت میں مسئلہ بگڑ سکتا تھا۔ بالآخر اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا۔ اب اگر قدرت کو یہ ہی منظور ہے تو پھر اسے مزاحمت نہیں کرنا چاہیے۔ پر اندر ہی اندر وہ بہت الجھا ہوا تھا۔ گو اس نے اپنی پریشانی کسی پہ ظاہر نہیں کی تھی، پر وہ پریشان تھا۔

مگر اب جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کی الجھن کم ہو رہی تھی۔ اسے یہ سب اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ آنے والے خوب صورت وقت کی سوچوں میں گم وہ خاصی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا، جب نہ جانے کہاں سے ایک راہ گیر اچانک سڑک پار کرنے کی کوشش میں تیزی سے اس کی گاڑی کے سامنے چلا آیا۔ بروقت بریک لگا کر اس نے کسی بڑے حادثے سے خود کو اور اس ادھیڑ عمر شخص کو بچا لیا، پر گھبراہٹ اور خوف کے باعث وہ شخص چکرا کر سڑک پہ گر پڑا۔ اس نے جلدی سے اسے سنبھالا اور پھر اسے قریبی اسپتال لے گیا۔ جس میں اسے اچھا خاصا وقت لگ گیا واپسی میں جب وہ اپنے علاقے کی حدود میں داخل ہوا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ مین سڑک پہ گاڑی کی رفتار تیز تھی۔ ٹریفک بالکل نہیں تھی، بس اکا دکا ٹرک ٹرالیاں گزرنے سے اچانک خاموش سڑک پہ شور مچ جاتا۔

اگلے پندرہ منٹ میں وہ اپنے بیڈ روم میں ہوتا جہاں اس کا آرام دہ بستر اس کے دن بھر کی تھکان اتارنے کا منتظر تھا۔ ہیڈ لائٹ کی روشنی، اندھیری اور سنسان سڑک کو دور تک روشن کر رہی تھی۔ سڑک کے کنارے لگے درختوں کے جھنڈ سے نکل کر کوئی تیزی سے سڑک پہ آیا۔ اس کا رخ گاڑی کی طرف تھا۔ وہ جو بھی تھا شاید اسے مدد درکار تھی یا پھر وہ کوئی وارداتیا بھی ہو سکتا تھا۔ ازراہ تجسس اس نے گاڑی کی رفتار مزید ہلکی کر کے ذرا غور کیا تو وہ ایک لڑکی تھی جو خود کو ایک بہت بڑی سوتی چادر میں چھپائے، آدھی رات کو تنہا سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے گاڑی روک لی۔ لڑکی کی آنکھوں میں چند لمحوں کے لیے امید اور خوشی کے جگنو ٹمٹمائے، پر اگلے ہی پل وہ دیے مدھم پڑ گئے۔ اس کے چہرے پہ مایوسی تھی۔ وہ کسی بڑی پریشانی میں مبتلا تھی، ورنہ رات کے اس پہر ہرگز یہاں موجود نہ ہوتی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آیا۔ یوں رات گئے ایک انجان لڑکی کو سرراہ چھوڑ جانا اسے معیوب لگا، پر اس نے دیکھا، وہ اسے باہر نکل کر اپنی طرف آتا دیکھ کر خاصی ہراساں ہو گئی ہے۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔



"کیا بات ہے سکندر، طبیعت تو ٹھیک ہے نا میرے بچے کی؟" وہ راکنگ چیئر پہ سر ٹکائے بیٹھا تھا۔ پاس ہی میز پہ دھری ایش ٹرے میں جلی ہوئی سگریٹوں کا انبار تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی ایک ادھ جلا سگریٹ کا ٹکڑا موجود تھا جسے اس نے ماں کے کمرے میں قدم رکھتے ہی ایش ٹرے میں بجھا کر پھینک دیا۔

"میں ٹھیک ہوں امی۔" خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے مسکرانے کی کوشش کی، لیکن وہ جانتا تھا اس کا چہرہ اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔ رات بھر جاگنے کی تھکن اور اس پہ شدید پریشانی۔ اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

"چہرے سے تو نہیں لگ رہا کہ تم ٹھیک ہو۔ کیا سوئے نہیں؟ کب پہنچے تھے؟" اس کے بالوں میں انگلیاں سہلاتے فرخندہ نے پیار سے پوچھا۔ وہ ماں کو ہرگز پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پریشانی تو چھوٹی بات تھی، جو بات وہ دل میں دبائے بیٹھا تھا، وہ ایسی چنگاری تھی جس سے ہر طرف آگ بھڑک اٹھتی۔ اپنے مسائل اس نے پہلے بھی کسی سے کبھی نہیں کہے تھے، وہ اپنے معاملات خود سلجھانے کا عادی تھا اور یہ مسئلہ تو

اسے ہی حل کرنا تھا۔

"وہ شہر بینہ کا سارا سامان آگیا ہے۔ اسے کہیں دیکھ لے' کچھ رہ تو نہیں گیا۔" اپنا موڈ خوش گوار کرتے ہوئے اس نے بات کا رخ بدلا۔ اسی وقت ملازم ہینگر میں لگا اس کا سوٹ لیے کمرے میں داخل ہوا۔ فرخندہ نے محبت سے اس کی شیروانی کو دیکھا۔ اولاد کے لیے ماں کے دل میں کئی ارمان ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑی خواہش ان کی شادی کی ہوتی ہے۔ بالاخر ان کی زندگی میں بھی یہ دن آ ہی گیا تھا۔ جہاں بیٹی کے رخصت ہونے کا غم دل میں تھا' وہیں بیٹے کی شادی کی خوشی ہر دکھ کا مداوا کر رہی تھی۔ سکندر نے ماں کے چہرے کو حسرت سے دیکھا جہاں اس وقت دونوں جہان پالینے کی خوشیاں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں۔ یہ لباس خاص ان ہی کی پسند تھا۔ وہ اس کی شادی پہ اپنا ہر ارمان پورا کرنا چاہتی تھیں۔ سکندر کے دل میں درد کی ایک ٹیس اٹھی۔ خود کو بشاش ظاہر کرتے وہ ان سے چند منٹ شادی کے انتظامات سے متعلق بات چیت کرتا رہا۔

فرخندہ کے جانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو جکڑے وہ خود اذیتی کی کیفیت میں تھا۔ وہ بااختیار تھا' کیا نہیں کر سکتا تھا پر اس وقت قدرت نے اسے ایسے دوراہے پہ لا کھڑا کیا تھا جہاں اس کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا' کیونکہ اگر اس وقت وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتا تو اس کی نہیں' اس کی بہن کی زندگی خراب ہو جاتی۔ سب سے بڑھ کر دو خاندانوں کی دشمنی کبھی نہ ختم ہونے والی نفرت میں بدل جاتی۔ فیصلہ اسے کرنا تھا۔ اپنی زندگی اور خوشیوں کی قربانی دے کر وہ سب کی عزت بچالے یا بس اپنا سوچے اور کسی کی پروا نہ کرتے ہوئے شریکوں کی عزت کو خاک میں ملا دے۔

☆ ☆ ☆

آج بادل گھن گرج کر برسا تھا۔ بارش کے بعد آسمان پہ قوس وقزح کے رنگ چار سو بکھرے ہوئے تھے۔ زمین کی پیاس بجھا کر آسمان سے برستا مینہ نئی پھوٹتی کونپلوں کو سیراب کر رہا تھا۔ بدلیوں کے پیچھے چھپا سورج وقفے وقفے سے جھانک کر اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ بہار جو موسم محبت ہے۔ دلوں کو شاد رکھتا ہے۔ پھولوں کی طرح دلوں کے کھلنے کی بھی نوید دیتا ہے۔ تیز بارش اب ہلکی ہلکی بوندا باندی میں بدل چکی تھی۔ یونی ورسٹی گراؤنڈ میں لڑکے لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ سب ہی بے قابو ہو رہے تھے۔ موسم کی تبدیلی نے سب کا موڈ خوش گوار کر دیا تھا' ورنہ کچھ دن سے تو یہ ہی لگتا تھا بسنت رت برسے بغیر تپتی دوپہروں میں بدل جائے گی۔

بارش کی پھوار میں اپنے اردگرد سے بے نیاز وہ دونوں پگڈنڈی پہ چلتے سب سے بہت دور نکل گئے تھے۔

"پتا نہیں یہ موسم کا اثر ہے یا پھر تمہارے ساتھ کا جادو' دل چاہ رہا ہے وقت تھم جائے اور میں یوں ہی بس تمہیں دیکھتا رہوں۔" بارش کی ننھی بوندوں کو اپنے چہرے پہ محسوس کرتے ہوئے رافع نے پگڈنڈی پہ پڑے چند کنکر اپنے جوگر کی ٹھوکر پہ اڑائے۔

"یقیناً" موسم کا اثر ہے' اسی لیے تم اتنے رومانٹک ہو رہے ہو' ورنہ میں تو ہر روز تمہارے ساتھ ہی ہوتی ہوں۔" اس کے کھلے سیاہ بالوں نے ہوا کے ساتھ مل کر بغاوت کی اور اس کے حسین چہرے کو پریشان کر ڈالا۔ رباب نے دونوں ہاتھوں سے اپنے ریشمی بال سمیٹے جو بوندوں سے نم تھے اور انہیں لپیٹنے لگی۔

"آں ہاں.... مت سمیٹو۔ تمہیں پتا ہے نا مجھے تمہارے کھلے بال بہت پسند ہیں۔" ایک شگفتہ مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا حصار کیا۔ اس کی آنکھوں میں دیے ٹمٹمانے لگے۔ قوس و قزح کے سارے رنگ اس کے روپ میں سمٹ آئے۔ اس کی ان ہی باتوں سے رباب شوکت خود کو ساتویں آسمان پہ محسوس کرتی تھی۔ ایک دوسرے میں مگن' وہ رم جھم برستے پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ہنستے مسکراتے باتیں کرتے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔



"شہرینہ.... بھائی کا کمرہ ٹھیک کروا دیا ہے نا؟" فرخندہ کی نظر شہرینہ پہ پڑی جو کوریڈور سے چوروں کی طرح نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ ماں کی آواز سن کر اس کے قدم رک گئے۔ چند لمحے اپنے حواس قابو کرنے میں لگے اور پھر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہال کمرے میں فرخندہ ایک ملازمہ کے ساتھ کھڑی تھیں۔ شاید اسے کل کی تقریب کے حوالے سے ہدایات دے رہی تھیں' جب ان کی نگاہ شہرینہ پہ پڑی جو راہ داری سے دبے قدموں نکل رہی تھی۔

"جی امی! خود کھڑے ہو کر پورے کمرے کی دوبارہ صفائی کروائی ہے۔" فرخندہ کے چہرے کو دیکھ کر اسے اطمینان ہوا' کیونکہ وہاں کسی قسم کا رد عمل نہیں تھا۔ وہ اس وقت پوری طرح سکندر کی آمد کی خوشی میں مگن تھیں۔ شہرینہ کا اعتماد بھی بحال ہو گیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں بھی ایک نظر جا کر دیکھ لوں ذرا' کہیں کوئی کمی نہ رہ گئی ہو۔" ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا پورے ایک سال کے بعد گھر آ رہا تھا۔ اپنی تعلیم کے سلسلے میں وہ پچھلے دو سال سے امریکہ میں تھا۔ پچھلے سال چند روزہ چھٹیوں میں وہ گھر آیا تھا' پر اب اس کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اور وہ مستقل آ رہا تھا۔ فرخندہ کے پیر زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ حویلی کے تمام ملازموں کو انہوں نے ایک ٹانگ پہ نچایا ہوا تھا۔ پورا گھر شیشے کی طرح جگمگا رہا تھا' لیکن سکندر کے کمرے کی صفائی کی ذمہ داری انہوں نے کسی ملازم پہ نہیں بلکہ اپنی چھوٹی بیٹی شہرینہ پہ ڈالی تھی۔

"یہ تو مجھے پتا ہے' آپ کو میری بات پہ تو یقین آنا نہیں اور آپ لازمی خود جا کر تسلی کریں گی۔" شہرینہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ فرخندہ اس کی شرارت پہ مسکرائیں۔

"ایسی بات نہیں کہ مجھے تم پہ بھروسا نہیں' بس میں نہیں چاہتی سکندر کو کسی چیز کی کمی کا احساس ہو۔" وہ دونوں اب سکندر کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ شہرینہ انہیں تفصیلات بھی بتا رہی تھی۔

"امی آپ بھائی کا خیال ایسے رکھتی ہیں جیسے وہ بہت سخت گیر اور غصے والے ہوں۔ سکندر کا کمرہ یوں رکھو' سکندر کی چیزیں ایسی ہونی چاہئیں' سکندر کے کپڑے اس کی جگہ پہ موجود ہوں۔ آپ کا رویہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی چیز اپنی جگہ سے بدلی تو سکندر بھائی طوفان لے آئیں گے۔ حالانکہ وہ بالکل ایسے نہیں ہیں۔ وہ تو اتنے سادہ اور ایزی گو ہیں کہ ان کا بیڈ نکال کر فرش پہ بستر بچھا دوں تو وہ اس پہ بھی مزے سے سو جائیں گے۔" وہ سکندر کے بہت قریب تھی اور اس کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ شہرینہ کو نہیں یاد تھا کہ اس نے اسے کبھی بچپن میں بھی ضد کرتے یا بے جا کسی سے ناراض ہوتے دیکھا ہو۔ اس کی صلح جو طبیعت کی وجہ سے سب اسے بے حد پسند کرتے تھے۔

احسان الٰہی اس علاقے کی جانی مانی اور متمول شخصیت تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ بڑا بیٹا سکندر اور

اس سے تین سال چھوٹی بیٹی شہرینہ.... احسان الٰہی نے سکندر کو اس کی خواہش پہ اعلا تعلیم حاصل کرنے امریکہ بھیجا تھا۔ وہ ہارورڈ بزنس اسکول سے اپنا ایم بی اے مکمل کر کے آج شام پاکستان آرہا تھا۔ شہرینہ نے اسی سال گریجویشن کیا۔ وہ بھی تعلیم کے سلسلے میں دو سال ہاسٹل میں رہی تھی۔ وہ دونوں بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے' پھر بھی احسان الٰہی اور فرخندہ نے اپنے بچوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دی تھی۔

"اسی لیے تو اس کا خیال رکھتی ہوں۔ جانتی ہوں وہ کبھی شکایت نہیں کرے گا۔ میرا سکندر ہے ہی ایسا۔ ہر حال میں ایڈجسٹ کرلینے والا۔ خود کو نظر انداز کر کے سب کا خیال رکھنے والا۔" فرخندہ کی جان سکندر میں تھی۔ وہ اپنے نام کا ہی نہیں گنوں کا بھی سکندر تھا۔ دلوں پہ حکمرانی کیسے کی جاتی' وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اپنی پراثر شخصیت اور تحمل مزاجی سے وہ صرف اپنی ماں کا ہی لاڈلا نہیں تھا' بلکہ احسان الٰہی کے بھی بہت قریب تھا۔ سکندر کے کمرے میں پہنچ کر فرخندہ نے ایک تنقیدی نگاہ پورے کمرے پہ دوڑائی۔ کشادہ کمرے میں لگا آبنوسی بیڈ اور اسی سے ملتی بک شیلف جہاں سکندر کی پسندیدہ کتابیں سجی تھیں۔ میز پہ سجے خوب صورت گلدان میں تازہ پھولوں کی مہکار سے کمرہ معطر ہورہا تھا۔ فرخندہ اپنی تسلی کر کے اب کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

"ویسے امی سکندر بھائی بابا کا بالکل الٹ ہیں نا۔ ایک ہمارے بابا ہیں' ہر وقت غصہ ناک پہ ٹکا رہتا ہے اور ایک سکندر بھائی ہیں' اتنے معاملہ فہم۔ ماتھے پہ شکن نہیں آتی کبھی ان کے۔ ویسے بابا بھی ان کے سامنے بالکل بدل جاتے ہیں' ورنہ عام حالات میں تو ہٹلر کے جانشین لگتے ہیں۔" شہرینہ بھی ان کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ بند کر کے چلی آئی۔ وہ نان اسٹاپ بول رہی تھی' جب فرخندہ نے رک کر اسے گھورا۔ اس کی زبان کو ایک دم بریک لگا تھا۔

"دیکھو اس بندکر بدتمیز.... اپنے بابا کے بارے میں کیا بولے جارہی ہے' انہوں نے سن لیا تو شامت آجائی

ہے تیری۔" اس کی گردن کے پیچھے ہلکی سی چپت لگا کر فرخندہ نے گھر کا۔ وہ ہرگز شرمندہ نہیں ہوئی۔ احسان الٰہی کا مجاز حاکمانہ تھا اور اپنی مرضی کے خلاف وہ بہت کم کسی کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ چلتے چلتے دونوں اب کوریڈور میں اس جگہ پہنچ چکی تھیں جہاں فون رکھا تھا۔

"اچھا چلو اب باتیں کرنا بند کرو اور ذرا فون ملا کر پوچھو وہ لوگ آئے کیوں نہیں اب تک..." فرخندہ بے صبری سے بولیں۔ شہرینہ احسان الٰہی کا موبائل کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔



شوکت شہریار' اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کے ساتھ اس وقت ڈیرے پہ موجود تھے۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ کوئی اپنی ضرورت کی دہائی دیتا' وہاں پہنچا تھا تو کوئی ان کے مداوا پہ نذرانہ دینے آیا تھا۔ شوکت شہریار کے سامنے علاقے کا بڑے سے بڑا افسر بھی نظریں جھکا کر بات کرتا تھا۔ وہ انصاف پسند تھے۔ سب کا خیال رکھنے والے اور سب کے مسائل کو اپنی وساطت سے حل کرنے والے تھے۔ ان ہی خوبیوں نے انہیں سب میں ہردلعزیز بنا رکھا تھا۔ وہ اپنے ہم منصب دوسرے امرا کی طرح کمزوروں کے سر پہ قدم رکھ کر طاقت کے زور پہ حکمرانی کا قائل نہ تھے۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ انا پرست تھے۔ اپنی ایک اکلوتی دشمنی کو سالوں سے اپنے سینے میں پالتے ہوئے انہیں کبھی پشیمانی نہیں ہوئی تھی' بلکہ وقتاً"فوقتاً" چند شراروں کی مدد سے وہ اس دشمنی کی آبیاری کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

"سنا ہے احسان الٰہی کا بیٹا سکندر آیا ہوا ہے۔ دشمنوں کے گھر بڑی آتش بازیاں چھوڑی جارہی ہیں۔" وہ اس بار بہت دن بعد ڈیرے پہ آئے تھے۔ ماحول خوش گوار تھا۔ باتوں باتوں میں احسان الٰہی کا ذکر چھڑا۔ سکندر کے آنے کی خوشی میں حویلی میں ایک بہت بڑی تقریب رکھی گئی تھی۔

"باباجان آپ حکم کریں تو ان خوشی کے پٹاخوں میں ایک آدھ غم کا پٹاخہ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔" ہارون اپنے باپ کی ہی طرح گرم خون والا تھا۔ جہاں دشمنی و عداوت کی آگ میں تیل ڈالنے کی ضرورت ہوتی وہ پہلی صف میں کھڑا ہوتا۔

"اوہ نہ یار نہ... ابھی نہیں۔ ابھی تو احسان الٰہی کو اپنی ہار کا غم بھولا نہیں ہوگا۔ بڑا سینہ تان کر اس نے اپنا بندہ الیکشن میں کھڑا کیا تھا اور ہمارے گھبرو نے کیسے اسے چاروں شانے چت کردیا۔" شوکت شہریار' اپنے شہزادے کی بات سے محظوظ ہورہے تھے۔ اس کی گردن کا سریا تھوڑا اور تن گیا تھا۔ پچھلے سال ہونے والے الیکشن میں دونوں چوہدریوں نے دو الگ الگ پارٹیوں کی پشت پناہی کی۔ جیت کا سہرا اس پارٹی کے سر رہا' جس کو شوکت شہریار کی سپورٹ حاصل تھی۔ شوکت شہریار کی رسائی اسمبلی تک ہوگئی تھی' یہ بات احسان الٰہی کو مزید تپا گئی تھی۔



فون کی بیل وقفے وقفے سے بجے جارہی تھی۔ سرفراز اپنا موبائل کان سے لگائے بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ہر بار دو بیل دے کر وہ کال منقطع کردیتا تھا۔ یہ ایک طرح کا سگنل تھا' لیکن دوسری طرف سے کال اٹینڈ نہیں کی جارہی تھی۔ چار بار کال کرنے کے بعد جب پانچویں بار بھی کال اٹینڈ نہیں کی گئی تو اس کا موڈ بری طرح خراب ہوچکا تھا۔ اپنا غصہ اس نے فون پہ اتارا اور اسے صوفہ پہ پٹخ دیا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے بے جان فون کی طرح خود اس میں بھی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

"مل گئی فرصت تمہیں مجھ سے بات کرنے کی؟" وہ جو دل میں اس سے دوبارہ بات نہ کرنے کی ٹھان بیٹھا تھا' پہلی ہی بیل پہ اس کا فون اٹینڈ کرچکا تھا۔

"بڑی مشکل سے نکالی ہے یہ فرصت' تمہیں تو معلوم ہے نا آج گھر میں جشن کا سماں ہے۔" اس کی ناراضی کو انجوائے کرتے ہوئے وہ کچھ شرارتی انداز

میں بولی۔

"تو اب بھی مجھ پہ یہ احسان عظیم نہ کرتیں، اسی جشن میں مصروف رہتیں۔" وہ جلے دل سے بولا تو شہرینہ کی ہنسی کی کھنکتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اپنے لیے اس کی بے چینی سے واقف تھی۔

"سکندر بھائی پورے ایک سال بعد گھر لوٹے ہیں، دل تو نہیں چاہ رہا تھا انہیں چھوڑ کر آنے کو، پر کیا کروں تمہاری خاطر آنا پڑا۔" سرفراز جانتا تھا، وہ اسے ستا رہی ہے، پر پھر بھی اسے خواہ مخواہ غصہ آرہا تھا۔ عجیب محبت تھی اس کی۔ اسے اس میں کسی کی شراکت گوارہ نہیں تھی، اس کا دل کرتا شہرینہ بس ایک دفعہ اس کی ہوجائے۔ وہ پوری دنیا سے چھپا کر اسے اپنی ذات تک محدود کرلے۔ وہ اس کے لیے اتنا ہی جذباتی تھا۔

"تو بیٹھی رہتیں گھٹنے سے لگ کر سکندر کے، یہاں کون مرا جارہا ہے تم سے بات کرنے کو۔" وہ نروٹھے پن سے بولا تو شہرینہ کو اس پہ ترس آنے لگا۔ بڑی مشکل سے سب سے آنکھ بچا کر بس چند منٹ ہی ملے تھے ان دونوں کو بات کرنے کے۔ ایسے میں یہ پل کسی طرح نہ ملتے تو انہیں لگتا زندگی کا ایک دن بے کار گزرا۔

"اتنی بے قراری ہے تو چپ سادھے کیوں بیٹھے ہو، مجھے بیاہ کے اپنے ساتھ لے کیوں نہیں جاتے۔" شہرینہ نے ازراہ مذاق یہ بات کی تھی، لیکن سرفراز یک دم سنجیدہ ہوگیا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ منزل اتنی آسان نہیں۔ وہ بڑی مشکل جگہ دل لگا بیٹھا ہے۔ یہاں غم زیادہ ہیں، راستہ کانٹوں سے بھرا ہے اور ان دونوں کو یہاں زخموں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

"کاش یہ سب اتنا آسان ہوتا، کاش میں بابا سے یہ بات اتنی آسانی سے کہہ پاتا، جتنی آسانی سے تمہاری چاہت پاچکا ہوں۔" چند لمحے دونوں طرف خاموش گزرے اور پھر ایئر پیس سے سرفراز کی آواز ابھری۔ شہرینہ کو اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ بات واقعی اتنی آسان نہ تھی۔ اگر شوکت شہریار مان بھی جائیں تو کیا شرط تھی کہ احسان الٰہی بھی اپنی بیٹی کی شادی اپنے بدترین دشمن کے بیٹے سے کرنے پہ راضی ہوجائیں گے۔



شوکت شہریار اور احسان الٰہی ایک ہی سکے کے دو رخ تھے۔ اس علاقے کے حاکم، یہاں کے سب سے بڑے جاگیردار۔ دونوں خاندان ایک دوسرے سے کسی صورت کم نہ تھے۔ ان کا اثر ورسوخ، جاہ وحشمت ایک دوسرے کے ہم پلہ تھا۔ پورے علاقے کی لگ بھگ ساری ہی زمین شوکت اور احسان کی ملکیت تھی۔ اس کے علاوہ بھی کئی شوگر ملیں، کپڑے کی ملیں، ان دونوں خاندانوں کی ملکیت تھیں۔ احسان الٰہی اب اپنا کاروبار شہر میں بھی جما چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی شہر کی فیکٹری سکندر سنبھالے۔

بات زمین کے تنازعہ سے شروع ہوئی اور اس نے خاندانی دشمنی کا درجہ حاصل کرلیا۔ محبت کرنے میں انسان تمام عمر بتا دیتا ہے اور نفرت کرتے بس ایک پل لگتا ہے۔ گولیاں چلیں، کئی ملازموں کی گردنیں اڑیں اور کئی گھروں میں صف ماتم بچھی، پر دشمنی کی یہ آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ چند گز زمین کے حصول کے لیے دونوں فریقین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مسئلہ زمین کا ٹکڑا نہیں، مسئلہ انا کا تھا اور انا کا بت پہاڑ سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یہ ٹوٹتا ہے تو زمین اور آسمان کو سر کر دیتا ہے۔ اک طرف شوکت شہریار اور احسان الٰہی کی دلوں میں پلتی کدورت تھی جو دونوں کو نفرت کی آگ میں جھلسا رہی تھی، تو دوسری طرف قدرت نے اسی آگ میں محبت کے پھول کھلا دیے تھے۔

شوکت شہریار کا بڑا بیٹا، سرفراز شوکت... اپنے باپ کے بدترین دشمن احسان الٰہی کی اکلوتی بیٹی شہرینہ احسان کی محبت میں چور تھا۔ دو سال پہلے شہرینہ کو پہلی بار اس نے شہر میں دیکھا تھا۔ وہ اپنے کالج کی سہیلیوں کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ سرفراز سے اس کی ملاقات اتفاقیہ تھی اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ انجانے میں

اپنے رقیبوں کی بیٹی سے دل لگا بیٹھا ہے اور جب تک یہ بھید کھلا وہ دونوں اس سفر میں بہت آگے جا چکے تھے' جہاں پہ خود کو ختم کرنا تو آسان تھا' پر اس محبت کا خاتمہ ممکن نہ تھا۔



"کچھ بھی ناممکن نہیں ہے بابا جان' بس ایک ارادہ کرنے کی دیر ہے۔ آپ دیکھیں گے منزل آسان ہوتی جائے گی۔ یوں بھی ان خاندانی دشمنیوں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔" سکندر ہمیشہ کی طرح بہت ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بات کر رہا تھا۔ وہ اپنے زور بیان سے مقابل کے دل میں اترنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ احسان الٰہی جس موضوع پہ شاید اپنے باپ کی بات سننا بھی گوارہ نہ کرتے وہ بات سکندر ان سے بہت تحمل اور ہلکے پھلکے انداز میں کر رہا تھا۔

"چار سال امریکہ رہ آئے ہو نا اس لیے ایسی باتیں کر رہے ہو۔ چار دن یہاں رہو گے' یہاں کے معاملات دیکھو گے تو بیٹا جانی تم بھی یہ ہی زبان بولو گے۔" احسان الٰہی چاہ کر بھی اپنا لہجہ سخت نہیں کر پاتے تھے۔ سکندر کی بات اتنی مدلل اور اتنی تحمل والی ہوتی کہ اس میں جھگڑے کا پہلو نکالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"میں اسی مٹی کی پیداوار ہوں بابا جان' چار سال کیا' چار سو سال بھی امریکہ رہ لوں' رہوں گا وہی۔ لیکن آپ ایک بار اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے بتائیں' یہ جھگڑے فساد' یہ سالوں پرانی دشمنی' اس سے ہمارا کتنا فائدہ ہوا ہے؟ الٹا نقصان ہی ہوا ہے اور دونوں طرف اس آگ کو ہوا دینے والے خیر خواہوں کی بدولت یہ باقاعدہ جنگ بن گئی ہے۔" رات گئے تقریب کا اختتام ہوا اور دونوں باپ بیٹے کو اب سکون سے بات کرنے کی فرصت ملی تھی۔ ہمیشہ کی طرح موضوع شوکت شہریار سے بدلہ لینے کی کوئی نئی منصوبہ بندی تھی' لیکن سکندر یہ سب مزید نہیں چاہتا تھا۔ تعلیم نے اسے شعور دیا تھا۔ وہ اپنی توانائی اس دشمنی کے پیچھے غارت کرنے کی بجائے مثبت انداز میں بروئے کار لانا چاہتا تھا۔ اپنے کاروبار کو وسعت دینا چاہتا تھا۔ علاقے کے لوگوں کو روزگار کے نئے مواقع دے کر ان کی زندگیوں میں خوش حالی لانا چاہتا تھا۔

"تو کیا تم چاہتے ہو میں اپنی عزت پہ کمپرومائز (سمجھوتا) کرلوں؟" احسان الٰہی کا انداز نہ ماننے والا تھا۔

"نہیں... میں چاہتا ہوں آپ اپنی انا پہ کمپرومائز کرلیں۔ یہ چنگاری تھی اسے آتش فشاں آپ کی انا نے بنایا ہے' اب اسے ٹھنڈا بھی آپ کو ہی کرنا ہے۔" سکندر اب بھی اتنا ہی پرسکون تھا۔

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی ہیں سکندر... میں بس اتنا جانتا ہوں یہ سلسلہ ایسے ختم نہیں ہو سکتا۔" اس کا تحمل ہمیشہ ہی احسان الٰہی کو زچ کر دیتا تھا۔ ان کے پاس الفاظ ختم ہو جاتے تھے۔

"اب تو ایسی باتیں روز ہوں گی بابا جان اور مجھے امید ہے ایک دن آپ کو میری باتیں سمجھ آ بھی جائیں گی۔ فی الحال بہت رات ہو رہی ہے' میں سونا چاہتا ہوں اور آپ بھی آرام کریں۔" مسکراتے ہوئے اس نے ان کے ماتھے پہ بوسا دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ اب اپنے کمرے کی طرف تھا کہ اچانک کوریڈور میں کھڑے سائے کو دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ بہت آہستہ چلتا وہ یک دم اس سائے کے سر پہ آ رکا تھا۔ سائے نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔



"نہ ایسی کون سی پڑھائی ہے بیٹا جی جو کئی کئی دن ماں کی یاد ہی نہیں آتی۔" ساجدہ آج باقاعدہ رباب کی کلاس لے رہی تھیں۔ اس نے تنگ آ کر پہلو بدلا۔ پچھلے دو ہفتے سے وہ گاؤں نہیں گئی تھی۔ رافع کے ساتھ کی عادت اتنی شدت اختیار کر گئی تھی کہ وہ اس سے دور جانا گوارہ نہیں کر سکتی تھی' اسی لیے ویک اینڈ آئے اور گزر گئے پر رباب نے گھر پیر نہیں ڈالا۔

"امی آپ کو اندازہ نہیں کتنی مشکل پڑھائی ہے

میری روز ٹیسٹ ہوتے ہیں' روز اسائنمنٹس ہوتی ہیں۔ ایک منٹ کی فرصت نہیں ملتی۔ سارا دن یونی ورسٹی میں بھاگ دوڑ میں گزرتا ہے اور واپس آکر کتابوں سے سر اٹھانے کا وقت نہیں ملتا۔" بس اسی موضوع سے جان چھڑانے کے لیے اس نے گھر فون کرنا بند کردیا تھا۔

"بابا جان کو بہلانا جتنا آسان ہے امی کو سمجھنا اتنا ہی مشکل۔" وہ بس سوچ ہی سکی۔ گھر سے وقتاً" فوقتاً" کبھی ساجدہ یا اس کے دونوں بھائی اسے کال کرلیتے تھے' لیکن اپنے بابا جان سے اس کی بات روز ہی ہوتی تھی۔ وہ ان کی لاڈلی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اس نے کسی چیز کی فرمائش کی ہو اور شوکت شہریار نے اسے انکار کردیا ہو۔ یہ اسی کی ضد اور شوق تھا جو ساجدہ کے لاکھ منع کرنے پر بھی شوکت نے اسے شہر کی یونی ورسٹی میں پڑھنے بھیج دیا۔ دونوں بیٹوں کو تعلیم سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ سرفراز تو پھر بھی بی اے کرچکا تھا' مگر ہارون روتے دھوتے بس ایف اے ہی کرپایا۔ رباب ذہین تھی اور پڑھنے کا شوق بھی تھا۔

"آگ لگے ایسی پڑھائیوں کو میری پھول سی بچی ہلکان ہورہی ہے۔ میں کہتی ہوں تیرے بابا جان کو بس اب واپس بلالیں تجھے' مجھے نہیں بھیجنا اپنی بیٹی کو شہر۔ ماڑی سی جان اور اتنا سارا پلندہ کتابوں کا۔" ساجدہ نے بیٹوں کی دفعہ بھی ایسی بے جا حمایتیں کی تھیں۔ انہوں نے پڑھنے سے آنا کانی کی تو وہ میرا پتر میرا بچہ کہہ کر شوکت شہریار کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ رباب کو ان کی محبت سے خطرے کی بو آئی۔ پتا چلے اس کے بہانے کو سچ مان کر وہ اگر بابا جان کے سامنے ڈٹ گئیں تو اس کی ساری محنت بے کار ہوجائے گی۔

"ارے نہیں امی! پلیز ایسا غضب نہ کریں۔ بس یہ آخری سمسٹر ہے نا میرا' اس کے بعد تو میں مظفر گڑھ آ ہی جاؤں گی۔" وہ تو اب گھر واپس جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ کچھ ایسا ہی تعلق بن گیا تھا اس کا اس شہر سے۔ رافع کی محبت کی ڈور سے بندھی وہ اس سے دور جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی' لیکن امی کو تو یہ سب کہا نہیں جاسکتا تھا' اس لیے بس پڑھائی کا بہانہ وہ واحد حربہ تھا جس سے ساجدہ کی زور زبردستی ٹالی جاسکتی تھی اور اب تو یہ بہانہ بھی ختم ہوگیا تھا۔

"ویسے مجھے تو تیرے بابا کی بھی سمجھ نہیں آتی ہے' ایک طرف تو تجھ میں ان کی جان اٹکی ہے اور دوسری طرف اپنی نظروں سے دور شہر بھیجا ہوا ہے۔" وہ اب بے زار ہورہی تھی۔ رافع کے میسج پہ میسج آرہے تھے۔ ابھی اس کو کال کرنا تھی اور دیر ہونے کی صورت میں وہ موڈ آف کرلے گا' یہ بھی اسے معلوم تھا۔

رافع سے اس کی ملاقات چند ماہ پہلے ہی ہوئی تھی۔ وہ اس کا سینئر تھا۔ جس یونی ورسٹی سے رباب بی۔ ایس کررہی تھی' رافع وہاں سے ایم۔ ایس کررہا تھا۔ وہ رباب کی طرح بڑے باپ کی اولاد نہیں تھا' جو اتنی مہنگی یونی ورسٹی کی افورڈ کرسکتا۔ وہ یہاں فل اسکالر شپ پہ پڑھ رہا تھا۔

رافع کی طرف رباب کے کھنچنے کی ایک بڑی وجہ اس کی ذہانت بھی تھی۔ وہ سچ میں جینئیس تھا۔ یونی ورسٹی کے سب سے شارپ اسٹوڈنٹس میں سے ایک۔ اس سمسٹر کے آغاز میں بی۔ ایس اور ایم۔ ایس کے طلبہ کو فنانس کے پروفیسر نے ایک کمبائنڈ (مشترکہ) اسائنمنٹ دی تھی جو انہیں گروپ کی شکل میں کرنا تھی۔ رباب جس گروپ میں شامل تھی اس میں رافع موجود تھا۔ چند دنوں کی ایکٹیویٹی دل کے رشتے میں بدل گئی اور اب رباب کو اس سے اتنی دوری بھی گوارہ نہیں تھی کہ ویک اینڈ پہ حویلی کا چکر ہی لگا آئے۔

"کیونکہ یہ میری خواہش تھی اور آپ کو تو پتا ہے نا بابا جان میری کسی بات سے انکار نہیں کرتے ہیں۔" رباب فخریہ لہجے میں بولی۔ وہ حد درجہ شوکت شہریار سے مطابقت رکھتی تھی۔ ضدی' انا پرست..... ایک بار جو کہہ دیا اسے ہر حال میں منوا کر چھوڑتی۔ شاید اس لیے بھی وہ اپنے بابا کی چہیتی تھی۔

"تو اور تیرے بابا جان۔ اچھا یہ بتا گھر کب آئے گی۔

میرا بڑا دل کر رہا ہے تجھے دیکھنے کا۔ اتوار کو بھیجوں سرفراز کو تجھے لے آئے۔" ساجدہ کی سوئی اب تک وہیں اٹکی تھی۔

"اس ہفتے تو بہت مشکل ہو جائے گا' میرے دو تین ٹیسٹ ہیں' اگلے ہفتے کا پلان کر کے آپ کو بتاتی ہوں۔" اس نے جلدی جلدی بہانہ بنا کر کال بند کی اور رافع کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔



شہرینہ کو کوریڈور میں چوروں کی طرح فون پہ کسی سے بات کرتے دیکھ کر سکندر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"شہرینہ تم؟ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو۔" رات کے اس پہر جب حویلی کے سارے مکین نیند کی وادی میں کھو چکے تھے' وہ سرفراز سے چھپ کر فون پہ بات کر رہی تھی۔ سکندر کو وہاں دیکھ کر اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ سکندر کا ماتھا ٹھنکا۔

"میں... وہ... میں..." اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ سکندر کو اس نے کبھی اونچی آواز میں بولتے بھی نہیں سنا تھا' لیکن وہ اس کا بڑا بھائی تھا اور اس کی رگوں میں بھی احسان الٰہی کا خون تھا۔ سچ جاننے کے بعد اللہ جانے وہ اس کی کیا درگت بنائے گا۔ یہ اس گھر کا اصول تھا کہ احسان الٰہی کے بیڈ روم کے سوا کسی کمرے میں فون کی سہولت موجود نہیں تھی۔ شہرینہ کو موبائل فون رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ احسان الٰہی اور سکندر دونوں ہی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جب تک وہ ہاسٹل میں تھی انہیں ملنے یا بات کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی' پر جب سے وہ گھر واپس آئی تھی مجبوراً" شہرینہ کو یہاں آکر سرفراز سے بات کرنی پڑتی۔

"میرا خیال ہے بات کرنے کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے' تم میرے ساتھ میرے کمرے میں چلو۔" دال میں کچھ کالا تھا اور وہ سمجھ چکا تھا۔ پوری بات جانے بغیر وہ کوئی نتیجہ اخذ کرنے کا عادی نہیں تھا اور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ قبل از وقت کوئی بات حویلی کے مکینوں تک پہنچے۔ وہ سر جھکائے اس کی پیروی میں ایک بھی لفظ کہے بنا اس کے ساتھ چلی آئی۔ جانتی تھی سکندر کو سچ بتائے بغیر چارہ نہیں۔

"اب بتاؤ' فون پہ کس سے بات کر رہی تھیں۔" کوئی اور ہوتا تو واویلا مچ جاتا' لیکن یہ سکندر کی صفت تھی' وہ اپنی بردباری کھوتا نہیں تھا۔ وہ اس وقت بھی بہت پرسکون اور مطمئن تھا۔ گو سنجیدہ تھا۔ شہرینہ جانتی تھی وہ سکندر سے جھوٹ نہیں بول سکتی اور شاید یہ ہی موقع تھا اسے سچ بتا دیا جاتا۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی۔" اسے ساری حقیقت بتا کر وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی۔ سرفراز کا نام سن کر سکندر کے ماتھے پہ پریشانی کی چند لکیریں ابھریں' پر اس نے کسی رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سلسلہ؟" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ شہرینہ نے اسے اول تا آخر سب کہہ سنایا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے شہرینہ اگر بابا جان کو یہ سب پتا چل گیا تو کتنا بڑا طوفان آجائے گا؟" وہ جانتا تھا احسان الٰہی کے لیے یہ خبر کسی ایٹم بم سے کم نہیں ہوگی۔ وہ اس رشتے کو قبول نہیں کریں گے۔

"پلیز بابا جان سے کچھ مت کہیے گا بھائی... وہ مجھے جان سے مار دیں گے۔" شہرینہ کا خوف بڑھ رہا تھا۔ اب جبکہ سکندر سب کچھ جان چکا تھا تو پھر یہ بات بابا جان تک بھی پہنچ ہی جانی تھی۔ ان کا رد عمل کتنا شدید ہو سکتا ہے' شہرینہ یہ سوچ کر ہی کانپ گئی تھی۔

"اس سب کا خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟ بابا جان کی شوکت شہریار خان اور اس کے کنبے سے نفرت سے واقف تھیں تم..." "یہ خوف تو ہمیشہ سے تھا' پر محبت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے تو سوہنی کو اپنے کچے گھڑے کا ہی آسرا ہوتا ہے۔

"میں شرمندہ ہوں' پتا ہی نہیں چلا کب ہم اس راہ پہ چل نکلے اور جب ہوش آیا تو بہت آگے جا چکے تھے۔" سکندر خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کسی کو پسند کرنا اور اس سے شادی کی خواہش رکھنا

میرے نزدیک غلط نہیں ہے۔ میں پسند کی شادی کے خلاف نہیں ہوں' نہ ہی محبت کرنے کو برا سمجھتا ہوں پر تم دونوں کا طریقہ غلط ہے۔ خود کو چور بنانے کی بجائے سرفراز کو چاہیے تھا' اپنے والدین سے رشتے کی بات کرتا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا اس سے کہوں یوں راتوں کو چھپ چھپ کر فون کرنے کے بجائے شریفوں کی طرح تمہارے لیے رشتہ بھیجے۔" ابھی کچھ دیر پہلے وہ احسان الٰہی سے اس دشمنی کے خاتمے کی درخواست کرکے آیا تھا۔ سکندر کو ان دونوں کی صورت امید کی کرن دکھائی دی۔ اس کا ذہن اب کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"وہ بھی اپنے بابا سے ڈرتا ہے' اگر وہ نہ مانے تو..."

شوکت شہریار ہو یا احسان الٰہی' اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا تھا کہ وہ دونوں اس موضوع پر تحمل کا مظاہرہ کریں گے۔

"اتنا ڈرتا ہے تو پھر تمہیں اس راستے پہ اپنے ساتھ کیوں گھسیٹ رہا ہے۔ چھت پہ چڑھ کے کبوتر بازی کرے یا پتنگ اڑائے۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے تو پھر حوصلہ بھی دکھائے' باقی بابا جان کو میں سنبھال لوں گا۔" سکندر کے مطابق اگر واقعی سرفراز اپنے باپ کے سامنے ڈٹ جاتا ہے تو اپنے بیٹے کی خاطر شوکت شہریار کو اپنے رویے میں لازمی نرمی لانی ہو گی۔ دوسری طرف سکندر بھی احسان الٰہی کو مسلسل سمجھائے گا۔ بات تو بن سکتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" وہ گہری سوچ میں تھا۔ شہرینہ خاموش رہی۔

"میں... وہ..." وہ جانتا تھا کام مشکل ہے' پر کسی کو تو پہلا قدم اٹھانا ہی ہو گا نا۔

"یہ ہی نا کہ وہ پتا نہیں کرپائے گا یا نہیں؟ دیکھو شہرینہ میں تمہارا بڑا بھائی ہوں اور صرف تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ زور زبردستی اور مار پیٹ کر تم پہ اپنی برتری ثابت نہیں کروں گا' لیکن ایک بات طے ہے اگر سرفراز نے اپنے والد سے اس رشتہ کی بات نہ کی تو ایسے بزدل انسان سے تمہاری شادی میں نہیں ہونے دوں گا۔" سکندر کا لہجہ دو ٹوک تھا۔



کمرے میں اتنا سناٹا تھا کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ شوکت شہریار کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سرفراز پر اعتماد لیکن مودب انداز میں ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ شوکت کا غصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ ساجدہ اور ہارون میں بھی اس وقت اتنی ہمت نہ تھی کہ اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کردیتے۔ ساجدہ ایک روایتی بیوی اور روایتی ماں تھیں۔ شوہر کی اطاعت گزار پر اولاد کی خوشیوں کی متمنی۔

"چار دن کی محبت میں یہ تیرا سپوت باپ کے سامنے بغاوت پہ اتر آیا ہے۔ سالوں پرانی دشمنی ختم کرنے کی بات کر رہا ہے' کیونکہ شریکوں کی بیٹی پہ اس کا دل آگیا ہے۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولے۔ ساجدہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے' لیکن اس سے پہلے سرفراز بول پڑا۔

"بابا جان اس دشمنی سے کس کا بھلا ہو رہا ہے؟ میں آپ سے بغاوت کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا' لیکن اتنے سالوں سے اس دشمنی کی آگ کو سینے میں جلائے آخر کیا ملا ہے؟" ساجدہ نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ اسے ڈر تھا شوکت شہریار طیش میں آکر کوئی بڑی بات نہ کردیں۔ وہ تو سرفراز کو ڈانٹ ڈپٹ کر سامنے سے ہٹانا چاہتی تھیں پر وہ بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔

"سن رہی ہو اس عاشق نامراد کی باتیں؟ بڑی سائڈ لیتی تھیں نا اپنے بیٹوں کی... میں اگر اپنی آئی پہ آگیا تو اس کا حشر نشر کردوں گا۔ اس لیے اسے اپنی محبت والی زبان سے سمجھا دو کہ یہ عشق کا کیڑا اپنے دماغ سے نکال دے' ورنہ..." شوکت شہریار کی آواز میں پھنکار تھی۔ وہ تپش جو جلا کر راکھ کردیتی ہے۔

"چوہدری صاحب آپ تحمل رکھیں' اس کی عقل میں آپ ٹھکانے لگا دوں گی۔" ساجدہ کو لگا اب اگر وہ نہ بولیں تو معاملہ مزید بگڑ سکتا ہے۔ اس نے سرفراز کا ہاتھ دبایا پر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ شہرینہ نے اسے بتا دیا

تھا کہ سکندر کو سب کچھ پتا چل چکا ہے اور یہ کہ سکندر رد کرنے کو تیار ہے پر اس صورت اگر سرفراز بھی خود کو ثابت کرے۔ شہرینہ یا کسی کے بھی علم میں لائے بغیر سرفراز، سکندر سے ملا بھی اور اسی کے سمجھانے اور ہمت دلانے پہ وہ شوکت شہریار کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

"بابا جان.... آپ بھلے میری چمڑی ادھیڑ دیں یا مجھے گولی مار دیں، میں گلہ نہیں کروں گا لیکن میں شہرینہ کی محبت سے دستبردار ہونے والا نہیں۔ میں بھی آپ کا ہی بیٹا ہوں۔ جس طرح آپ کا کہا پتھر پہ لکیر ہے ایسے ہی میری زبان سے نکلے لفظ بھی بدل نہیں سکتے۔ میں شہرینہ سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں اور اب مر تو سکتا ہوں پر اس وعدے سے پھر نہیں سکتا۔" شوکت شہریار جتنے غصے میں تھے، سرفراز اتنا ہی پرسکون۔ سکندر کی مورل سپورٹ ملنے کے بعد اس کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ اس رشتے سے نہ صرف یہ بے جا دشمنی کی آگ ٹھنڈی کی جا سکتی تھی بلکہ علاقے کا امن سکون واپس آ سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ شوکت شہریار مزید کچھ کہتے ملازم نے سکندر کی آمد کی اطلاع دی۔ کمرے میں موجود ہر شخص کو اس وقت سانپ سونگھ گیا تھا۔



"کس کا فون تھا رافع؟" وہ گہری سوچ میں تھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور چہرے پہ سب کچھ پا لینے کا سکون۔ رشیدہ کی آواز پہ چونک کر اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔ وہ آنکھوں میں حیرت لیے اسے اکیلے میں مسکراتا دیکھ رہی تھی۔

"رباب کا۔" رشیدہ کا چہرہ چمکنے لگا۔ آنکھوں میں ہوس اور گہری ہوئی۔ ریلوے کلرک کی بیوی بن کر اس نے ساری عمر بھوک اور افلاس ہی دیکھی تھی۔ بچوں کی پیدائش نے خلیل کی ذمہ داریاں بڑھائیں اور اس کی قلیل آمدنی نے رشیدہ کو اس سے تمام عمر خائف ہی رکھا۔ وہ صبر کرنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اسے زیادہ کی طمع تھی جبکہ یہاں زیادہ تو دور کی بات گھر کی ضروریات کا پورا کرنا ہی مشکل ہوتا تھا۔

"اچھا کیا کہہ رہی تھی؟ تو نے پیسوں کی بات کی؟" رافع نے نفی میں سر ہلایا۔

رشیدہ کی زندگی کا بس اب ایک ہی خواب تھا۔ آرام دہ زندگی، وہ خواب جو خلیل کی صورت پورا نہ ہو سکا وہ اسے رافع کے ذریعے مکمل کرنا چاہتی تھی۔ اس کی باقی اولاد کی نسبت رافع پڑھائی میں ہمیشہ ہی آگے تھا۔ اس کی طرح رافع بھی اپنے موجود حالات سے ناخوش تھا۔ وہ ایک حریص طبع انسان تھا جسے زندگی میں سب کچھ بہت جلدی اور آسان طریقے سے چاہیے تھا۔ ایسے میں رباب اس کے خوابوں کی تعبیر بن کر اس کی زندگی میں آئی۔ وہ اتنی خوب صورت تھی کہ دسیوں کی نگاہیں اس پہ اٹھتی تھیں پر قسمت رافع پہ مہربان تھی کہ وہ اس کے اردگرد منڈلاتی تھی۔ چند ماہ میں اس کے عشق میں دنیا بھلا بیٹھی تھی اور اس میں بہت بڑا ہاتھ رافع کی ان میٹھی باتوں کا تھا جو رباب کو آسمان سے زمین پہ نہیں آنے دیتی تھیں۔

"کل ملوں گا تو بات کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں میرے مانگنے سے پہلے ہی وہ دے دے گی۔ اس سے دس گنا زیادہ نوٹ وہ اپنے پرس میں لیے گھومتی ہے۔" اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ جب سے ان دونوں کا تعلق بنا تھا رافع کے دن بدل گئے تھے۔ مہنگے پرفیوم، بہترین لباس اور بڑے بڑے ریسٹورنٹ میں کھانا، رباب کی بدولت تھا۔ وہ اپنے باپ کی چہیتی تھی اور شوکت شہریار ہر ماہ ایک موٹی رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرتے تھے جسے رباب بڑی شان سے اپنے دوستوں پہ خرچ کرتی تھی اور اب یہ ساری نوازشات رافع کی طرف منتقل ہو چکی تھیں۔

"کیا خیال ہے یہ اپنے بد دماغ باپ کو شادی کے لیے منا لے گی؟" جب سے رافع کا چکر رباب سے چلا تھا رشیدہ کے خواب زندہ ہو گئے تھے۔ وہ اس پلان کا باقاعدہ حصہ تھی۔

"آپ بس دیکھتی جائیں۔ وہ سر پھرا جاگیردار اس کی کوئی بات نہیں ٹالتا ہے۔ اسے میری محبت نے اتنا

بے بس کر رکھا ہے نا اماں کہ ایک اشارے پہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ میرے قدموں میں آ گرے گی۔"

رباب کہتی تھی وہ جنئیس ہے وہ اس کے عشق میں اس کی ایسی ہی صفات کی بدولت چور ہوئی تھی پر وہ غلط تھی۔ رافع شاطر تھا۔ وہ اپنی غربت کے ہاتھوں پریشان تھا اور جانتا تھا اس یونیورسٹی سے نکل کر ملازمت کے لیے جوتیاں چٹخانے کے بعد اگر کوئی بڑا تیر مار بھی لیا تو نو سے پانچ کی چند ہزار روپوں کی نوکری اس کا مقدر ہو گی پر اسے اب زیادہ کی تلاش تھی۔

رباب خود اس کی زندگی میں آئی تھی اور اسے قسمت اگر شارٹ کٹ مہیا کر رہی تھی تو پھر وہ بے وقوف کیوں بنتا۔ اب تو بس وہ صحیح وقت کی تلاش میں تھا جب رباب اپنے باپ کو اس حد تک مجبور کر دے کہ وہ اس کی شادی بمعہ اپنی بے تحاشا دولت کے رافع سے کرنے پہ راضی ہو جائے اور اس کے مطابق وہ وقت اب جلد ہی آنے والا تھا۔



اس نے سرفراز سے وعدہ کیا تھا وہ اس مرحلے میں ان دونوں کا ساتھ دے گا۔ اسی وعدے کا پاس رکھتے ہوئے وہ دشمن کے گھر بے دھڑک پہنچ گیا تھا۔ شوکت شہریار کو قائل کرنے سے پہلے وہ اپنے بابا جان کو موم کر کے آ رہا تھا۔

"اگر آپ سب نے اپنی خود ساختہ دشمنی اور نفرت کو ختم نہ کیا تو مجھے ڈر ہے محبت کی ان مٹ داستانوں میں ایک اور داستان کا اضافہ نہ ہو جائے۔ اور ان دونوں کا خون آپ دونوں کی خود غرضی کے سر ہو گا۔"

اولاد انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ یہ یونہی آزمائش نہیں۔ اس کی محبت میں بڑے بڑوں کی انا کے بت پاش پاش ہوئے ہیں پھر احسان الٰہی کیا چیز تھا۔ جس بیٹی کو سرد گرم راتوں میں سینے پہ کھلایا ہو، زمانے کے اچھے برے سے بچایا ہو اسے کون کافر اپنے ہاتھوں موت دے سکتا ہے۔ سکندر کی باتیں اور شہرینہ کے آنسو کارگر رہے اور احسان الٰہی اس شرط پہ راضی ہوئے کہ پہل شوکت شہریار کو کرنا ہو گی۔ وہ اگر رشتہ لے کر اس کے گھر آئے گا تو احسان الٰہی بھی انکار نہیں کرے گا۔

سکندر اب شوکت کی حویلی میں تھا۔ تنہا نہتا اور نڈر۔ وہ اس کی جی داری سے متاثر ہوئے تھے۔ یہ جان کر بھی کہ وہاں اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے وہ ان کے دروازے پہ آیا تھا۔ شوکت شہریار جو یہ سمجھ رہے تھے شاید وہ جھگڑا کرنے آیا ہے اس کی سوچ کے برعکس سکندر نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ سرفراز نے تو پہلے ہی اسے کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔

شوکت شہریار کا غصہ تو اس کا تحمل اور اعتماد دیکھ کر خاصا کم ہو گیا تھا۔ کچھ سرفراز نے پیروں میں پڑ کر باپ کو منایا۔ ہارون البتہ خاموش تھا۔ ساجدہ کو بھی اپنی اولاد کی خوشی عزیز تھی۔

"بہت شکریہ سکندر۔ تم نے اس مشکل وقت میں ساتھ دے کر مجھے اپنا مقروض کر لیا ہے۔ اب یقین آیا شہرینہ کیوں تمہارے اتنے گن گاتی ہے۔" وہ بنا ہتھیار کے جنگ جیتا تھا۔ سرفراز اس کا شکر گزار تھا شاید وہ اکیلا اپنے باپ کو قائل نہ کر پاتا۔

"میری بہن کو اس کا جائز مقام اور عزت دلوانے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ پھر سمجھنا میرا یہ قرض ادا ہو گیا۔" اس کا ہاتھ تھامے سرفراز بے انتہا خوش تھا۔ اس کے دل کی مراد جو پوری ہونے والی تھی پر شاید ابھی دلی دور تھی لیکن سرفراز اس سے بے خبر تھا۔



پورا علاقہ دانتوں میں انگلیاں دبائے آج کی تازہ خبر سن رہا تھا۔ جو سنتا تھا اگلی بات کہنی بھول جاتا تھا۔ برسوں کے دشمن رشتے دار بننے جا رہے تھے۔ چوہدری احسان الٰہی کے گھر پہ دعوت کا انتظام تھا۔ سکندر اور سرفراز کی کوششوں کی بدولت شوکت شہریار، اپنے بڑے بیٹے کا رشتہ لے کر احسان الٰہی کے گھر پہنچے تھے۔ شہرینہ اور سرفراز کی محبت کو منزل اتنی آسانی سے ملنے والی تھی یہ تو ان دونوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں

سوچا تھا۔ نہ گولیاں چلیں نہ آگ لگی اور محبت نے اپنا رستہ بنالیا۔ سکندر جو مقصد لے کر پاکستان آیا تھا وہ اس میں سرخرو ہوا تھا۔ پچھلے ہفتے شوکت شہریار کے گھر جا کر اس نے دوستی کا پیغام دیا تھا اور آج شوکت شہریار اپنا دل بڑا کر کے خود ان کے گھر آ گئے تھے۔

''بات تو بچوں نے پہلے ہی طے کرلی ہے' ہم نے تو بس خانہ پری کرنی ہے۔ کیا خیال ہے اس ماہ کے آخر میں دونوں کی شادی کر دی جائے۔'' پر تکلف کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ سکندر' سرفراز اور ہارون خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ساجدہ اور فرخندہ بھی ایک دوسرے سے کھلے دل سے ملیں۔ شہرینہ تو شرمائی لجائی بس چند منٹ ہی سب کے سامنے آئی۔ سرفراز کی معنی خیز نظریں اس کا احاطہ کر رہی تھیں۔ اس کے لیے وہاں مزید ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے پر اتنی بھی کیا جلدی ہے' ویسے بھی دونوں گھروں میں بچوں کے حوالے سے پہلی خوشی ہے۔ مہینہ دو مہینہ تیاری کا تو دیں۔'' ساجدہ بولی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں بیٹے کی شادی اس شان سے ہو کہ لوگ برسوں یاد رکھیں۔

''اوہ نہیں..... شادی بیاہ کے معاملات میں تاخیر اچھی نہیں ہوتی۔ جتنی جلدی ہو جائے بسم اللہ کرنی چاہیے۔ ویسے بھی آگے رمضان شروع ہو جائے گا پھر عید کے بعد ہی شادی ہو سکے گی۔ تم زنانیوں کا کیا ہے دو چار چکر شہر کے لگا لینا۔ تیاری ہی تیاری ہے۔'' شوکت شہریار کا موڈ ہلکا پھلکا تھا۔ احسان الٰہی کے خدشات وہی تھے جو کسی بھی باپ کے اپنی بیٹی کی شادی کے وقت ہوتے ہیں۔ شوکت سے ملنے سے پہلے وہ خاصے پریشان تھے۔ گو وہ سکندر کی ضد اور بیٹی کی محبت میں برسوں کی نفرت مٹانے کو راضی ہو گئے تھے پر اپنے دل کا ٹکڑا کسی کے حوالے کرتے ہوئے جتنی منفی سوچیں کسی باپ کے دل میں ہوتی ہیں وہ تمام سوچیں اس وقت احسان الٰہی کو گھیرے ہوئے تھیں پر شوکت شہریار کی اگلی بات نے انہیں حیران کر دیا تھا۔ احسان الٰہی کے دل میں بیٹی کے مستقبل کو لے کر جتنے شبہات تھے شوکت شہریار نے ایک جملے میں ان کا سد باب کر دیا۔

''احسان الٰہی سارے شکوے گلے بھلا کر ہم تمہاری دہلیز پہ ان بچوں کی خوشی کی خاطر آئے ہیں۔ سچ کہو تو سرفراز سے زیادہ میرے دل کو سکندر کی بات لگی۔ سکندر سے مل کر دل خوش ہو گیا۔'' احسان الٰہی کی چھاتی بیٹے کی تعریف پہ چوڑی ہو گئی تھی۔ سکندر کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ایک تامل کے خود شوکت شہریار نے سلسلہ کلام دوبارہ شروع کیا۔

''اسے میری شرط سمجھو یا درخواست..... میں چاہتا ہوں تمہارے گھر سے میرے ایک نہیں دو رشتے بن جائیں۔'' سب ہی شوکت شہریار کی بات بغور سن رہے تھے۔ ان کی تمہید سے فی الوقت کوئی بھی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''کھل کے بات کرو چوہدری شوکت تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' احسان الٰہی وہاں اکیلے نہیں تھے جو پر تجسس تھے۔ ہال میں بیٹھی ساجدہ سے لے کر پردے کے پیچھے کھڑے شہرینہ کے کان بھی شوکت شہریار کی اگلی بات کی طرف متوجہ تھے۔

''احسان الٰہی میں چاہتا ہوں سرفراز کو تم اپنا بیٹا بنا ہی رہے ہو تو سکندر کو میرا بیٹا بنا دو۔'' فرخندہ نے پہلے احسان الٰہی اور پھر سکندر کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں شاید اب بھی اس کی بات نہیں سمجھے تھے۔

''سکندر تمہارا بیٹا ہے شوکت۔'' احسان الٰہی نے مسکراتے ہوئے سکندر کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''میں چاہتا ہوں تم سکندر کے لیے میری رباب کا رشتہ قبول کر لو۔'' ساجدہ کو لگا شوکت شہریار کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کوئی یوں بھی بیٹی کے رشتے کی بات کرتا ہے۔ سرفراز اور ہارون دم بخود رہ گئے۔ سکندر حیرت سے شوکت شہریار کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ مطمئن تھے۔

''اور اگر میں یہ بات نہ مانوں تو.....'' احسان الٰہی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو میں سرفراز اور شہرینہ کا رشتہ ختم کردوں گا۔ ان دونوں کی شادی اسی صورت ہوگی اگر تم سکندر اور رباب کی شادی کے لیے ہاں کردو۔" وہ بہت سوچ سمجھ کر بول رہے تھے۔ ان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ سکندر نے پہلو بدلا۔ ساجدہ نے مداخلت کرنا چاہی پر شوکت شہریار نے اسے ڈپٹ کر خاموش کرادیا۔ پہلی بار ایسا لگا وہ یہاں سرفراز کی نہیں رباب کی شادی کا سوچ کر آئے تھے۔

"میرے لیے جیسے میری بیٹی شہرینہ ہے ویسے رباب ہے۔ بات فقط میرے فیصلہ کرنے کی حد تک ہو تو میں تمہیں ہرگز خالی دامن نہیں لوٹاؤں گا لیکن یہ سکندر کی زندگی کا سوال ہے۔ میں اس پہ اپنا کوئی فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتا۔ اگر یہ اس رشتے کے لیے راضی ہے تو مجھے یہ رشتہ بخوشی قبول ہے۔" احسان الٰہی نے صاف گوئی سے کام لیا۔ سب کی نظریں سکندر پر تھیں اور سکندر کی نظروں کا زاویہ شہرینہ کی طرف جو پردے کے پیچھے سے نکل کر التجائیہ نظروں سے سکندر کو دیکھ رہی تھی۔ کسی لڑکی کو دیکھے، جانے بغیر اس کو ایک طرح سے بلیک میل کرکے یہ رشتہ اس پہ مسلط کیا جارہا تھا۔ وہ انکار کردینا چاہتا تھا پر شہرینہ کا اداس چہرہ اس انکار سے روک رہا تھا۔ چند دن پہلے اس کی وجہ سے برسوں کی دشمنی نے دوستی کا روپ دھارا تھا۔ اس کے انکار کے بعد نا صرف سرفراز اور شہرینہ کی شادی ٹوٹ جائے گی بلکہ دوستی کا یہ سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ختم ہوجائے گا۔ اسے اقرار کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ اسے اقرار کرنا پڑا۔ اپنا جواب ان تک پہنچا کر وہ وہاں سے جاچکا تھا۔

ملازمہ مٹھائی کا تھال لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ شادی کی تاریخ ایک ہی دن کی طے ہوئی۔ دونوں طرف منہ میٹھا کرایا گیا۔ ساجدہ نے بیش قیمتی تحفے شہرینہ کو دیے جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں اور وقت رخصت فرخندہ نے بھی ان کے ساتھ بہت سے قیمتی تحائف روانہ کیے۔ شادی میں وقت کم تھا اور دونوں طرف اب ایک نہیں دو دو شادیوں کی تیاریاں ہونے والی تھیں۔



"کیا بات ہے سب خیریت تو ہے نا یہ منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے؟" رباب نے جوس کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔ رافع آج ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ رباب جانتی تھی وہ آج کل کن مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کی بہن کی شادی سر پہ تھی۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر وہ شادی کے انتظامات کررہا تھا اور یہی بات اسے پریشان کررہی تھی۔

"ہماری کلاس والوں کی زندگی میں خیریت تو بس کبھی کبھار ہی ہوتی ہے ورنہ ہر دن ایک دو نئے مسائل کا اضافہ ہی ہوتا ہے۔" کن انکھیوں سے اس نے رباب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی پریشانی پہ بے چین ہورہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ اداس ہوگیا تھا۔

"ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ گے بھی یا یوں پہیلیاں بجھواتے رہو گے۔ بتاؤ تو پریشانی کیا ہے۔" اس سے پہلے بھی رافع اسے اپنے مسائل اور بہن کے جہیز کے اخراجات کا رونا سنا کر کافی رقم بٹور چکا تھا۔ رباب سے پیسے نکلوانا اس کے لیے بہت آسان تھا وہ اب بھی وہی حربہ استعمال کررہا تھا۔

"رباب میں جس سوسائٹی کی پیداوار ہوں نا وہاں ہر پریشانی پیسوں سے شروع ہوکر پیسوں پہ ختم ہوتی ہے۔ صبح دوپہر شام...... پیسے کہاں سے آئیں گے کی فکر ہم جیسوں کو ہلکان کرتی رہتی ہے۔ قرضوں کے بوجھ تلے ہماری زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور اسی بوجھ تلے ختم ہوجاتی ہے۔" اس کے لہجے میں چھپی مایوسی نے رباب کو اور بھی کمزور کردیا۔ اس کا بس چلتا تو رافع کی ہر پریشانی اپنے سر لے لیتی۔

"تم آج بہت مایوس نظر آرہے ہو رافع۔ میں نے تمہیں کبھی اتنا ناامید نہیں دیکھا۔ حالات ہمیشہ ایک جیسے تھوڑی رہتے ہیں تم کلاس کے سب سے ذہین اسٹوڈنٹ ہو ایک بار تمہاری تعلیم مکمل ہوجائے تو

شرکت کے لیے شہر سے لینے گیا تھا۔ بھائی کی شادی کی خبر تو ساجدہ اسے پہلے ہی فون پہ دے چکی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور نہیں جانتی تھی اس کی خوشی کو گرہن لگنے والا ہے۔

شوکت شہریار کی خصوصی ہدایات تھیں کہ رباب کو اس کی شادی کی خبر نہ دی جائے۔ اس دوران شوکت شہریار کا رباب سے رویہ ہمیشہ جیسا ہی تھا۔ سب کچھ جان کر بھی وہ جیسے انجان بنے رہے۔ شادی میں بس چند دن باقی تھے اور رباب کا گھر میں بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا۔

شوکت شہریار کے سوا یہ بات گھر کے کسی فرد کو نہیں معلوم تھا کہ رباب کا شہر میں رافع سے کیا تعلق چل رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے یہ معاملہ شدت اختیار کرے۔

"چوہدری صاحب اسے بتائیں گے نہیں تو وہ تو بڑا واویلا کرے گی۔" ساجدہ کو اس بات پہ حیرت تھی۔ ایک تو اچانک کسی سے مشورے کے بغیر اس کی شادی طے کر دی' اس پہ اسی کو خبر نہیں کہ چند دن میں اس کی شادی ہونے والی ہے۔

"تم جانتی تو ہو وہ من مانی کرنے والی ضدی لڑکی ہے۔ اسی بات پہ ناراض ہو جائے گی کہ اس سے پوچھا بھی نہیں اور شادی طے کر دی۔ اور پھر ابھی تو اس کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی۔ یہاں آجائے گی تو میں خود اسے بتاؤں گا۔" شادی کی خبر چھپانے کی معقول وجہ بتا کر شوکت شہریار نے سب کو خاموش تو کرا دیا تھا پر اس بات سے کوئی بھی قائل نہیں ہوا تھا۔

"تا تو آپ نے اتنی جلدی کیوں کی۔ اتنا شوق ہے اس کو آگے پڑھنے کا اور پہلے تو خود کہتے تھے اسے بہت پڑھنا ہے۔ اب اچانک ہی وٹہ سٹہ پہ مان لیا۔ جو اگر میری بچی کو انہوں نے پریشان کیا تا....." شوکت شہریار کا پارہ ہائی ہو گیا۔ ساجدہ کی بات نامکمل تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا تمہاری بچی کو وہ میری بھی لاڈلی بیٹی ہے۔ سکندر جیسا شاندار لڑکا قسمت والوں کو ملتا ہے بی بی۔ اپنی عقل نہ لڑا۔ جو میں کہہ رہا ہوں بس وہ کر۔"

اس بات کے بعد کسی کی کیا مجال تھی جو رباب کو اس بات کی ہوا بھی لگتی۔

بہر حال اب تو پنڈورا باکس کھلنے والا تھا۔ رات گئے تک ڈھولک بجی' آس پاس کے سب لوگ ہی جمع تھے۔ اس نے شادی کے گیت گائے' بھائی کی شادی کی خوشی میں جھومی ناچی' اس بات سے انجان کے سب کی دبی دبی ہنسی اور معنی خیز نگاہیں اس کو کیا پیغام دے رہی ہیں۔ اسی دوران ایک رشتے دار خاتون نے اسے شادی کی مبارک دی تو رباب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ غصے میں وہاں سے چلی آئی اور اس بات کی تصدیق کے لیے شوکت شہریار کے پاس پہنچی جنہوں نے پرسکون انداز میں اسے شادی کی نوید دی۔

"مجھ سے پوچھے بغیر' میری مرضی جانے بغیر آپ میری شادی طے کرنے والے کون ہوتے ہیں۔" وہ سرفراز یا ہارون نہیں تھی جو باپ کا لحاظ رکھتی۔ اس کی سرشت میں ضد تھی' غصہ تھا۔ وہ شوکت شہریار کے سامنے کھڑی تھی کیونکہ آج تک انہوں نے اسے کبھی گھور کر بھی نہ دیکھا تھا۔

"میں تمہارا باپ ہوں اور اس بات کا پورا حق رکھتا ہوں کہ جو لڑکا مجھے تمہارے لیے مناسب لگے اس سے تمہاری شادی کر دوں۔" وہ پہلی بار اس سے سخت لہجے میں بولے۔ ان کا انداز دو ٹوک تھا۔ رباب نے لاکھ توجیحات دیں' کروڑ مزاحمت کی' پر شوکت شہریار جو بات طے کر چکے تھے وہ اس سے ایک انچ نہ ہلے۔ ساجدہ نے پچکارہ' سرفراز نے سمجھایا پر اس کا رونا دھونا جاری رہا۔ شوکت شہریار کو اس کی محبت مارتی تھی جو رافع کا ذکر نہ کر کے وہ اس کا پردہ رکھنا چاہتے تھے پر وہ تو جیسے آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ مجبوراً" شوکت شہریار کو ساجدہ کو ساری بات بتانا پڑی۔ وہ تو سکتے میں آگئیں۔ بیٹی کی بارات آنے میں دو روز باقی ہیں اور وہ کسی اور کے عشق میں مری جا رہی ہے اس بات نے تو ساجدہ کو پریشان کر دیا۔

"میں جانتا تھا وہ گھر واپس نہیں آئے گی اس لیے تم سب کو اسے شادی کی خبر دینے سے منع کیا تھا" شوکت

اچھی سے اچھی نوکری مل جائے گی۔" میرا دل کہتا ہے تم بہت آگے جاؤ گے۔ رافع کا تیر نشانے پہ لگا تھا۔ وہ اسے ہیرو سمجھتی تھی اور ہیرو پہ تو آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جاتا ہے۔

"یہ سب تم میری محبت میں کہہ رہی ہو ورنہ سچ تو یہ ہے پیسے کے بغیر آگے بڑھنے کے تمام راستوں پر قفل لگا ملتا ہے۔" اس کا لہجہ اب بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ کمال کا اداکار تھا یا پھر رباب پیدائشی بے وقوف۔

"تمہاری محبت میں تو میں بہت کچھ کہتی ہوں ابھی تم مجھے یہ بتاؤ تمہیں کتنے پیسے چاہئیں ہیں تاکہ تمہاری حالیہ ضرورت پوری ہو سکے آگے کی پھر دیکھیں گے۔" اپنا پرس کھول کر اس نے ہزار ہزار کے نوٹوں کا بنڈل نکالا۔ رافع کی بتائی ہوئی رقم گن کر اسے دیتے ہوئے وہ اسی ریسٹورنٹ میں بیٹھے چوہدری شوکت شہریار کی موجودگی سے بالکل انجان تھی۔

"رباب تمہارا تعلق اتنے بڑے خاندان سے ہے اگر تمہارے گھر والوں نے ہماری محبت کو قبول نہ کیا تو کیا ہو گا؟" اپنی مطلوبہ رقم جیب میں رکھ کر وہ اب خاصا پرسکون تھا۔

"میرے بابا جان مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے آج تک میری کسی بات سے انکار نہیں کیا اور یہ تو میری پوری زندگی کا سوال ہے۔ وہ میری تم سے شادی کے لیے ہنسی خوشی راضی ہو جائیں گے۔" اس کے ہاتھ پہ اپنا نازک ہاتھ رکھ کر رباب نے اسے تو تسلی دے دی پر شوکت شہریار کا سکون برباد ہو گیا تھا۔ وہ آج شہر آئے تھے۔ کام کاروباری نوعیت کا تھا اور واپسی پہ رباب سے ملنا تھا۔ ساجدہ نے اس کے لیے بے شمار چیزیں بھیجی تھیں۔

لاڈلی بیٹی کو سرپرائز دینے کے چکر میں شوکت شہریار کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرپرائز مل گیا تھا۔ وہ بیٹی جس کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔ جس کی خوشی کی خاطر وہ بڑے سے بڑا غم سہہ سکتے تھے شہر میں ایک لالچی اور دغا باز انسان کی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسی اس پہ اپنی دولت لٹا رہی تھی۔ اس دن رباب سے ملے بغیر اور اپنے تمام کام چھوڑ کر شوکت شہریار نے فقط رافع کے متعلق تحقیقات کروائی تھیں۔ اس کے متعلق ساری معلومات لے کر وہ اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ رافع رباب سے زیادہ اس کے با اثر خاندان اور شوکت شہریار کی دولت میں دلچسپی رکھتا ہے۔

شوکت شہریار کی جہاں دیدہ نگاہوں نے رافع کی آنکھوں میں چھپی ہوس و طمع کو بخوبی کھوج لیا تھا جو اس کی محبت کی پٹی آنکھوں پہ باندھے سامنے بیٹھی رباب دیکھنے سے قاصر تھی۔ اگر وہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کرتی جو ان کے خاندان کے ہم پلہ ہوتا اور رباب کے قابل ہوتا تو شوکت شہریار ہنس کر اسے اپنا داماد بناتے لیکن وہ کیسے ایسے انسان سے اپنی بیٹی کی شادی کرتے جو اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے مسائل کا دکھڑا رو کر اس سے پیسے بٹور رہا تھا۔

رباب اس کے دل کا ٹکڑا تھی وہ اسے ایسی جگہ بیاہنا چاہتے تھے جہاں اس کی قدر ہو اسے مان ملے۔

رباب کو رافع کے چنگل سے نکالنے کا اس سے بہتر حل ان کے پاس نہیں تھا کہ وہ جلد از جلد اس کی شادی کر دیں۔ لیکن کس سے؟ کہاں؟ کیسے؟..... اور ان کے تمام سوالوں کا جواب سکندر تھا۔ وہ چراغ لے کر بھی نکلتے تو اتنا بہترین رشتہ رباب کے لیے نہ ملتا۔ وہ سرفراز کا رشتہ کرنے جا رہے تھے تو کیوں نا سکندر اور رباب کے رشتے کی شرط رکھ دیں۔ رباب کی شادی طے کر کے وہ جیسے اپنے دل پہ دھرا بھاری بوجھ کم کر آئے تھے۔



گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں۔ لڑکیاں ڈھولک کی تھاپ پہ شادی کے گیت گا رہی تھیں۔ پوری حویلی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ گھر کا کونا کونا مسکرا رہا تھا۔ گھر میں نئی دلہن کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رباب ابھی کچھ دیر پہلے ہی حویلی پہنچی تھی۔ سرفراز آج خاص اسے شادی میں

شہریار پرسکون تھے کہ ایک بار رباب گھر آجائے تو اسے شادی کے لیے راضی کرنا کوئی مشکل کام نہیں پر پچھلے چند گھنٹوں میں اس نے آسمان سر پہ اٹھالیا تھا۔ گھر کے سب ملازموں کو خبر ہو چکی تھی کہ وہ شادی سے انکار کر رہی ہے۔ افواہیں سر اٹھا رہی تھیں پر شوکت شہریار کا خوف تھا جو ان کی بازگشت حویلی کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلی تھی۔



مہندی کا فنکشن دونوں گھروں نے اپنے گھر میں ہی رکھا تھا۔ پیلے ریشمی جوڑے میں شہرینہ کا روپ کھل رہا تھا۔ من پسند ہم سفر کا ساتھ پانے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ حویلی میں خوب چہل پہل تھی۔ سکندر اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ پیلے کامدار جوڑے پہ نارنجی دوپٹا اوڑھے وہ اسے بہت معصوم لگی اور اسی وقت اسے کوئی اور بھی یاد آیا۔ کچھ ایسا ہی لباس اس نے پہن رکھا تھا جیسا آج شہرینہ نے پہنا ہوا تھا۔ فرق اتنا تھا اس نے خود کو سیاہ چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس کا کھلا کھلا روپ' اڑی ہوئی رنگت کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا تھا۔ بنا چاند کی رات میں روشنی بکھیرتا اس کا سراپا کسی کا بھی چین چرا سکتا تھا۔ خوف کے باعث اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے دمک رہے تھے۔ بالوں کی چند لٹیں' اس کی چوٹی سے نکل کر اس کے چہرے کو پریشان کر رہی تھیں جنہیں وہ بار بار اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ہٹا رہی تھی۔ وہ اس وقت شدید پریشان تھی اس بات کا ثبوت یہ تھا کہ اپنا نچلا لب جانے کتنی ہی بار اس نے کاٹا۔ ہر بار جب وہ اپنا لب کاٹتی تو اس کا درد سکندر اپنے لبوں پہ محسوس کرتا۔ وہ خواب تھا یا یقین۔۔۔ سکندر کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا۔

"کن سوچوں میں گم ہیں؟" وہ غائب دماغی سے ایک ٹک اسی کو دیکھ رہا تھا۔ شہرینہ کو اندازہ ہوا وہ یہاں موجود تو ہے پر اس کا ذہن کہیں اور ہے۔ وہ یک دم چونکا۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔" اس نے اپنا ماتھا کھجایا۔ وہ اسے کیا بتاتا وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا۔

"اپنی چیزیں دیکھ لیں' سب سامان ٹھیک ہے نا۔" اس نے بات بنائی۔ شہرینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ کچھ دیر یونہی بے معنی ادھر ادھر کی باتیں کر کے وہ اس کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ چاہ کر بھی شہرینہ سے وہ بات پوچھ نہیں سکا جو اسے کل رات سے پریشان کر رہی تھی۔ ایک بار پھر آرام کی غرض سے وہ اپنے کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ دھوئیں کے غبار اڑاتا وہ خود کو ان سوچوں سے دور لے جانا چاہتا تھا پر یہ اتنا آسان نہ تھا۔



وہ بے بسی کی انتہا پہ تھی' اسے دھوکے سے یہاں لایا گیا تھا۔ اگر وہ پہلے سے یہ سب جانتی تو ہرگز گھر نہ آتی۔ اسے گھر کے ہر فرد سے شکایت تھی پر اپنے بابا سے وہ سب سے زیادہ خائف تھی۔ اس کی خوشی کو اہمیت دیے بغیر اسے قربانی کا بکرا بنایا جا رہا تھا۔ اپنی دشمنی کو دوستی میں بدلنے کے لیے اسے ایک انجان شخص سے شادی پہ مجبور کیا جا رہا تھا۔ عام حالات میں وہ اتنی منفی باتیں ہرگز نہ سوچتی پر اب تو رافع کی محبت سر چڑھ کر بول رہی تھی۔

دبے پاؤں کمرے سے نکل کر وہ ہال میں چلی آئی۔ ملازم اپنے کوارٹروں میں تھے۔ سب لوگ سو چکے تھے۔ اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور رافع کا نمبر ملانے لگی۔ چند بیلوں کے بعد کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"بابا یہاں زبردستی میری شادی کر رہے ہیں۔ مجھے جھوٹ بول کر یہاں بلایا گیا ہے۔" اس کا موبائل فون ساجدہ کے قبضے میں تھا اور بند تھا اسی لیے رافع کا اس سے رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔ اس کے کمرے کے فون کی تار کٹ چکی تھی اور ملازموں کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ فون کے پاس بھی نہ جائے۔

"تم نے تو کہا تھا وہ تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے' میں تو اپنی ساری امیدیں تم سے لگائے بیٹھا تھا۔" اس کے اپنے پیروں تلے سے زمین نکل گئی

تھی۔ سونے کی چڑیا اس کے ہاتھ سے نکل رہی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ایک راستہ ہے۔ میرے گھر والے تمہیں نہیں جانتے' اگر کل رات میں کسی طرح گھر سے نکل کر مین روڈ پہ آجاؤں تو تم مجھے وہاں سے پک کر لو۔ ہم دونوں شہر جا کر شادی کر لیں گے تو میرے گھر والے کچھ نہیں کر سکتے۔" رافع کو رباب کا پلان پسند آیا تھا۔ وقت اور جگہ کا تعین کر کے اس نے رازداری سے فون بند کیا اور دبے پیروں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اب پرسکون تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ۔" پاس پڑی چارپائی پہ رشیدہ ادھ کھلی آنکھوں سے اسے پریشان بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ چھت پہ باقی سب افراد گہری نیند میں سو رہے تھے۔ رافع نے سارا قصہ مختصراً" کہہ سنایا۔

"کوئی ضرورت نہیں اس بلا کو گلے ڈالنے کی۔ یہ لڑکی خالی ہاتھ ہمارے گھر آگئی تو ہمیں کتنے نفلوں کا ثواب۔ ویسے بھی اس کے باپ بھائی بہت طاقت ور لوگ ہیں۔ ایسے لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ جوان بیٹیاں ہیں میری' بلاوجہ کوئی نئی مصیبت نہ شروع ہو جائے۔" اس بات سے قطع نظر کہ رباب کو اس نہج پہ لانے والا اس کا اپنا بیٹا ہے وہ اسے اس ساری صورت حال سے خود کو بچانے کا راستہ دکھا رہی تھی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں اگر ان لوگوں کو خبر مل گئی تو خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے سر کھجایا۔

"وہ مختاراں ہے نا' کل ہی مجھ سے قیصر صاحب کی بیٹی کا ذکر کر رہی تھی...." رافع نے حیرت سے دیکھا۔

"وہی جو ہمارے پڑوس میں رہتے تھے۔ ان کا بھائی بہت سال پہلے امریکا گیا تھا جھوٹے کاغذ بنوا کر۔ اب تو خیر پاسپورٹ والا ہے۔ وہاں جا کر کسی گوری سے شادی کر لی۔ ایک بیٹی ہے اس سے۔ عورت تو جانے کب کی بھاگ گئی۔ اب سنا ہے بیٹی کا رشتہ دیکھ رہے ہیں۔ گھر داماد چاہیے انہیں۔ وہ کہہ رہی تھی تمہارا خاص طور پہ پوچھا ہے۔ سوچ رہی ہوں کل ہی اس کو بلا کر بات آگے بڑھاتی ہوں۔" چادر اوڑھ کر وہ ایک بار پھر چارپائی پہ لیٹ گئی۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں' ویسے بھی اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے سوائے بھوک اور غربت کے۔"

رافع نے وہ رات امریکا جانے کا حسین خواب دیکھتے ہوئے گزاری۔ صبح تک رباب کو وہ ماضی کا قصہ سمجھ کر بھول چکا تھا۔



سرخ جوڑے پہ کندن کا قیمتی کام اس کی شان و شوکت کو بڑھا رہا تھا۔ اس کے ماتھے پہ چمکتی بندیا' کانوں میں جھولتے آویزے جو اس کے رخساروں کو چوم کر اس کی نظر اتار رہے تھے' اس کے گلے میں پہنا ہار اس کی صراحی دار گردن کو اور بھی حسین بنا رہا تھا۔ سرفراز کی محبت میں سرشار وہ شرمائی لجائی پھولوں کی سیج پہ بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ یہ ارمانوں کی رات تھی۔ دو دلوں کے ملنے کا جشن منانے کی رات۔ سرفراز کی لودیتی نظروں کی تاب نہ لا کر خود میں سمٹتی شہرینہ' شرم سے سرخ ہو رہی تھی۔

باپ اور بھائی کے گلے لگ کر اس نے خوب آنسو بہائے تھے پر ان آنسوؤں میں فقط جدائی کا درد نہ تھا بلکہ پیا سے ملنے کی خوشی بھی نہاں تھی۔ اپنے گھر والوں کی بے شمار دعاؤں کے سائے میں رخصت ہو کر وہ کچھ دیر پہلے شوکت شہریار کی حویلی پہنچی تھی جہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ گھر کے سب افراد نے اسے کھلے دل سے خوش آمدید کہا تھا۔ سرفراز پہ اسے خود سے زیادہ بھروسا تھا پر شبہات و وسوسوں کی ہلکی سی رمق جو دل کے نہاں خانوں میں پوشیدہ تھی وہ اب دور جا چکی تھی۔ وہ دشمن کی بیٹی نہیں' سرفراز کی محبت بن کر یہاں آئی تھی۔ اسے پورا مان دیا گیا۔ سرفراز کی قربت نے اس کے وعدوں کی تصدیق کر دی۔ شہرینہ کو لگا زندگی اس سے زیادہ حسین نہیں ہو سکتی ہے۔



رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی پر وہ اب تک

اپنے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ رات کے اس پہر ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو ہال میں ٹہلنے لگا۔ کچھ لمحے قیامت کے ہوتے ہیں۔ آپ چاہ کر بھی اس قیامت کو روک نہیں پاتے۔ ایسی ہی ایک قیامت اس کی زندگی میں آچکی تھی اور اس کا سکون ملیامیٹ کر چکی تھی۔ وہ بے بسی سے اپنی دنیا اجڑتے دیکھتا رہا پر کچھ کر نہیں پایا تھا۔ وسوسوں اور خدشات کا ناگ پچھلے دو دن سے اس کے اندر پھنکار رہا تھا۔ وہ خود کو تسلیاں و تاویلیں دے دے کر اب تک کسی بھی منفی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا' اب وہ کیا کرے۔ جب سب کچھ شیشے کی طرح صاف ہو چکا تھا۔ اب وہ اس صورت حال سے کیسے نبٹے' کیسے ان حالات کا سامنا کرے۔ کیا اپنے والدین کو وہ سچ بتائے جسے سن کر نہ صرف ان کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی بلکہ شاید اس حویلی میں یہ رات رباب کی آخری رات ہوگی۔

کاش وہ وقت سکندر کی زندگی میں کبھی نہ آتا' کاش اس کا ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور وہ وقت پہ گھر پہنچ جاتا' کاش آدھی رات کو اسے سڑک کے کنارے کھڑی لڑکی نظر نہ آتی' کاش وہ اس کی مدد نہ کرتا اور کاش وہ رباب شوکت نہ ہوتی۔ چوہدری شوکت کی بیٹی' سرفراز کی بہن اور اس کی ہونے والی بیوی۔

شادی سے صرف دو دن پہلے اندھیری سیاہ رات میں اس نے سیاہ چادر میں لپٹی' ڈری' سہمی بے تحاشا خوب صورت لڑکی کو اپنی گاڑی کی طرف آتے دیکھا۔ اس کا چہرہ ناامید تھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں غم کے سائے منڈلا رہے تھے۔ سکندر گاڑی سے نکل کر اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے دیکھ کر شدید گھبراہٹ کا شکار ہو گئی۔ وہ وہیں رک گیا تھا۔

"لگتا ہے آپ کسی کی منتظر ہیں' گھبرایئے مت' میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" ہمیشہ کی طرح' دل کو چھو لینے والے انداز میں گفتگو کرتا وہ اس کا خود پہ اعتبار بحال کر رہا تھا۔ گرے ڈریس شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ رباب کو وہ کوئی چور اچکا یا بدمعاش تو ہرگز نہیں لگا تھا۔ بے بسی اور خوف سے اس کے آنسو چھلک پڑے تھے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ سکندر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے سنبھالے۔

"میں آپ کو آپ کے گھر پہنچا دوں گا' لیکن آپ پلیز رونا بند کریں۔" گاڑی میں اس کے برابر والی سیٹ پہ بیٹھی وہ اب بھی بے آواز رو رہی تھی۔ سکندر نے اس مختصر فاصلے سے اسے بغور دیکھا۔ وہ مہندی یا مایوں کے لباس میں تھی۔ اس کی چادر کا کونا ہٹا تو سکندر نے اندازہ لگایا وہ یا تو کسی شادی سے آ رہی ہے یا خود کوئی دلہن ہے۔ اس دوران ایک بار پھر اس کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا وہ اسی کی دلہن ہے۔ اس نے رباب کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شہرینہ نے سرفراز کے ذریعے تصویر منگوانی چاہی پر اس نے مناسب نہ جان کر انکار کر دیا۔

"ویسے آپ کو جانا کہاں ہے' میرا مطلب آپ کا گھر یہاں کس علاقے میں ہے۔" زندگی میں بہت کم چہروں کو قدرت اتنے حسن سے نوازتی ہے کہ وہ پہلے نظر میں ہی دل میں اتر جائیں۔ وہ جانتا تھا اس چہرے کو وہ تمام عمر فراموش نہ کر پائے گا۔ وہ اس کے حسن سے متاثر ہوا تھا تو اس کی ڈری سہمی خوف زدہ جھیل سی آنکھوں میں اپنا وجود ڈوبتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔ اس پہ ایک نظر ڈال کر نگاہ ہٹانا کتنا مشکل کام تھا پر اسے یہ مشکل کام کرنا ہی پڑا کیونکہ وہ اب سنجیدگی سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف سے مشکوک ہو جاتی بہتر تھا سکندر اسے اس کی منزل پر پہنچا دے۔

"چوہدری شوکت کی حویلی یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔" سکندر کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ پھسلا۔ اس نے حیرت سے ساتھ بیٹھی لڑکی کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ ان کی مہمان ہے یا ان کے گھر کی فرد۔" سکندر کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا۔ وہ اب بھی مسلسل رو رہی تھی۔ اس نے پانی کی بوتل اسے

دی اور اپنا دھیان سڑک کی طرف کرلیا۔ وہ اس کا نام پوچھنا چاہتا تھا' اپنے شبہات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ وہ نہ ہو۔

حویلی بس پندرہ منٹ کی دوری پہ تھی۔ اس نے گاڑی روکی اور وہ گمنام لڑکی اس سے بنا کچھ کہے' اس پہ ایک بھی نظر ڈالے بغیر سست قدموں سے چلتی دروازے تک گئی۔ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ اس نے فوراً" دروازہ کھولا اور وہ اندر چلی گئی۔ سکندر حیران پریشان اسے حویلی کے اندر جاتا دیکھتا رہا اور پھر گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑلی۔



وہ پوری رات اس نے آنکھوں میں گزاری تھی۔ وہ اگر رباب تھی تو آدھی رات کو اس سڑک پہ کیا کررہی تھی۔

کیا وہ گھر سے بھاگ رہی تھی؟

یا پھر وہ کسی مصیبت میں تھی؟

شاید اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا ہو...... یا پھر وہ سرے سے رباب ہو ہی نا۔ ہو سکتا ہے ایسا کچھ نہ ہوا ہو جیسا وہ سوچ رہا ہے۔ پر اس کا لباس...... یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا اگلے دن شہرینہ نے پہنا ہوا تھا۔ کیا اس کی شادی زبردستی کی جارہی تھی۔ اچانک شوکت شہریار کا ساری آن بان بھلا کر اپنی بیٹی کے رشتے کی خواہش کا اظہار کرنا...... کیا یہ سب کسی پلاننگ کا حصہ تھا۔

"اف خدایا' میں کیا کروں؟" اس کا سر درد سے پھٹا جارہا تھا۔ شہرینہ اس کی الجھن دور کرسکتی تھی۔ یہی سوچ کر وہ اس کے پاس گیا تھا۔ وہ اس سے رباب کی تصویر مانگ سکتا تھا۔ وہ اسے دیکھنے کا حق رکھتا تھا پر شادی سے فقط ایک دن پہلے اگر یہ بات سچ نکلی کہ وہ گمنام لڑکی رباب ہی ہے تو وہ کیا کرے گا؟ کیا وہ اس پوزیشن میں ہے کہ وہ شادی سے انکار کردے...... یہ سوال اس نے خود سے دسیوں بار پوچھا تھا اور ہر بار ایک ہی جواب ملا تھا۔

"نہیں......" اس کا انکار اس کی بہن کی شادی روکنے کا باعث بن جاتا۔ اسے یہ زہر کا گھونٹ پینا ہی تھا۔ دل میں سب کچھ اچھا ہوجانے کی خواہش لے کر اس نے نکاح کے کاغذات پہ دستخط کیے تھے۔

شادی کا فنکشن ایک ہی جگہ تھا۔ ایک طرف شہرینہ اور سرفراز بیٹھے تھے جبکہ دوسری طرف اس کے بہت پاس رباب بیٹھی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ شاید وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ بلی کو دیکھ کر جیسے کبوتر آنکھیں بند کرلیتا ہے کچھ ایسے ہی وہ اس وقت کو ٹالنے کی کوشش کررہا تھا۔ ایک بات تو طے تھی شوکت شہریار کی رشتے دار خواتین اور لڑکیاں اس کے سامنے ہی تھیں اور ان میں وہ لڑکی نہیں تھی تو کیا وہ......؟ وہ جتنا اس مسئلے پہ سوچ رہا تھا اتنا ڈسٹرب ہو رہا تھا۔



خود پہ جبر کرتا وہ اپنے کمرے تک پہنچا تھا۔ کمرے کی سجاوٹ و آرائش روایتی تھی۔ پھولوں کی سیج پہ سرخ جوڑے میں لپٹی رباب اس کی منتظر تھی۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ اس کو دیکھے بنا سکندر نے اپنی الماری کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک مخملی ڈبا تھا۔ اس میں وہ قیمتی کنگن تھے جو سکندر برسوں خاص طور پہ رباب کے لیے لایا تھا۔ رباب سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے سکندر نے اسے مضطرب دیکھا۔ وہ عین اس کے سامنے جا بیٹھا۔ کنگن کا باکس بیڈ پہ رکھ کر اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا اور آہستہ آہستہ اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی نگاہ رباب کے ہونٹوں پہ گئی۔ گہری سرخ لپ اسٹک کی تہہ میں چھپے اس کے کانپتے لبوں کو دیکھ کر سکندر کو وہ منظر یاد آیا جب وہ انہیں بے دردی سے کاٹ رہی تھی۔

سکندر کو اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہوئی۔ رباب کی آنکھیں بند تھیں۔ اے سی کمرے میں بھی اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔ سکندر چند لمحے اسے یک ٹک دیکھتا رہا۔ اس کے ماتھے کی بندیا

دمک رہی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر بے اختیار اس سے محبت کرنے کو دل چاہتا تھا۔ بلاشبہ وہ بے تحاشا حسین تھی اور آج بالخصوص حسین لگ رہی تھی۔ یہ ساری سج دھج سکندر کے لیے تھی پر وہ اس کے لیے اپنے دل میں کوئی بھی جذبات محسوس نہیں کر رہا تھا۔

کرتا بھی کیسے، شادی سے دو دن پہلے آدھی رات کو جس لڑکی کو اس نے روتے دھوتے، سڑک کنارے پریشان دیکھا تھا وہ اس کی بیوی کے روپ میں اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ بدترین خدشات سچ نکلے تھے۔ یک دم وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رباب نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور اپنے سامنے کھڑے سکندر کو دیکھا، جو غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ خوف کی ایک شدید لہر اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں محسوس کی۔



یہ خواب تھا تو بہت ڈراؤنا تھا، یہ حقیقت تھی تو بے حد بھیانک تھی۔ اسے لگا وہ شاید ہوش میں نہیں۔ اس کی آنکھوں کا خوف وحشت میں بدل گیا۔ جو کچھ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی اس پہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فقط چند دن میں اس کی زندگی میں کیا کچھ نہیں ہو گیا تھا۔ اس کے خوابوں کا محل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ اس کا سارا مان، سارا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اسے دھوکے سے گھر بلا کر اس کی شادی کی جارہی تھی۔ وہ صرف رافع سے شادی کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ اس سے شدید محبت کرتی تھی۔

ایک ایسا انسان، جس کا نام بھی شاید وہ پہلی بار سن رہی تھی اس کے ساتھ منسوب کیے جانے پہ رباب نے آسمان سر پر اٹھایا پر نتیجہ کچھ نہ نکلا اور پھر وہ گھر سے بھاگ گئی۔ اس کی قسمت اچھی تھی جو اس وقت حویلی سے آسانی سے نکل آئی تھی پر پورا ایک گھنٹہ اس سنسان سڑک پہ کھڑے رہنے کے باوجود جب رافع نہیں آیا تو وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"کیا رافع اسے چھوڑ سکتا ہے، کیا وہ اس سے بے وفائی کر سکتا ہے......؟" خود سے کیے کسی بھی سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بے ہوش ہو کر گر جاتی اسے شہر کی طرف سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی۔ دل میں اپنی دم توڑتی امید کو دوبارہ زندہ کیے وہ سڑک تک پہنچی پر وہاں رافع نہیں تھا۔ وہ کچھ اور ٹوٹی، کچھ اور تڑپی...... اس اجنبی نے اسے گھر تک پہنچایا، وہ نہیں جانتی وہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا کیونکہ جن حالات میں وہ اس سے ملی اس کا ذہن ماؤف تھا۔ وہ اسے حویلی کے دروازے پہ چھوڑ گیا تھا۔

رباب نہیں جانتی تھی یہ دروازہ اس پہ دوبارہ کبھی کھلے گا یا نہیں۔ اس نے تو بس دستک دی تھی اور دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ بے خودی کی کیفیت میں تھی، سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سے عاری، اپنے ہی خیالوں میں مگن جب اس نے اندر قدم رکھا تو شوکت شہریار کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھا۔ ان کے ساتھ سرفراز اور ہارون بھی تھے۔ شاید وہ اسی کی تلاش میں گھر سے نکل رہے تھے۔ اگر انہیں پہلے رباب کے گھر سے نکلنے کی خبر ہو چکی ہوتی تو یقیناً" وہ اسے بہت جلد ڈھونڈ نکالتے، وہ ان کی دسترس میں تھی۔

"تیرے جیسی اولاد ہوتی ہو گی جسے بے عزتی اور بدنامی کے ڈر سے ماں باپ پیدا ہوتے زندہ گاڑ دیتے تھے۔" وہ بولے نہیں پھنکارے تھے۔ رباب ہوش میں آئی تھی۔ اس کا باپ اس پہ جان چھڑکتا تھا، لیکن وہ جو حدیں پار کر چکی تھی وہ باآسانی اس کی جان لے سکتا تھا۔ دونوں بڑے بھائی اسے نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سے نظریں نہیں ملا پائی اور پھر ساجدہ کا سخت ہاتھ اس کے گالوں سے ٹکرایا۔ اس نے ناقابل یقین نظروں سے ماں کو دیکھا۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے گئیں۔ یہاں بھی ان کی ممتا آڑے آئی جو اگر وہ اسے شوکت شہریار کی نظروں سے اوجھل نہ کرتیں تو وہ آج رباب کو جان سے مار دیتے۔

"میری تربیت کو گالی بنوا کر سکون میں ہے لاڈو رانی۔ بے حیائی کی اس انتہا تک پہنچنے سے پہلے ایک بار یہ تو سوچ لیتی تیرے چلے جانے کے بعد ہم دونوں دنیا کو کیا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



منہ دکھائیں گے۔" ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔
"تیری ہٹ دھرمی اور ضد سے کہیں اونچی تیرے باپ کی پگڑی ہے' اگر پرسوں تیری شادی نہ ہوئی تو وہ مجھے زہر دے کر خود کو گولی مار لیں گے۔ اب تو سوچ لے ماں باپ کی لاشوں پہ عشق کا مینار کھڑا کرنا ہے تو شوق سے اس شہری منڈے کے ساتھ بھاگ جا۔" وہ بے آواز روتی رہی۔ ساجدہ کمرے کا دروازہ اس کے منہ پہ مار کر جا چکی تھیں۔

اس پہ تو عشق کا بھوت سوار تھا اس انتہا پہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا جو ساجدہ اس کے کان میں ڈال گئی تھیں۔ اب بھی اس کے دماغ میں بس ایک ہی سوال دھماکے کر رہا تھا۔ رافع کیوں نہیں آیا؟ اس کا جواب تو وہی دے سکتا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی بین کرنے لگی۔ اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں بچا تھا سوائے اس کے کہ اسے ہر حال میں یہ شادی کرنا تھی۔ وہ چاہے یا نا چاہے اسے اس دلدل میں اترنا تھا۔ باپ کا غصے سے بھرا چہرہ' ماں کی ذلت بھری گالیاں' بھائیوں کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت...

ان دو دنوں میں اس نے بارہا ان چہروں کو خود سے خائف دیکھا تھا اور اب ایک اور چہرہ... جسے وہ اس رات کے بعد یکسر فراموش کر چکی تھی۔ وہ اس کا مددگار تھا پر اس نے پلٹ کر ایک لفظ شکریہ کا بھی نہیں کہا تھا۔ وہ چہرہ' آنکھوں میں بے بسی' چہرے پہ ناقابل یقین حیرت لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔



اس کی آنکھ کھلی تو صبح کی دھوپ کھڑکی سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ پورا کمرہ روشنی سے نہایا ہوا تھا۔ باہر ہر چند آوازیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ حویلی کے مکین جاگ چکے ہیں۔ وہ ایک دم صوفے سے اچھلا۔ رات ڈھلے وہ بے چینی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ یونہی پریشانی میں ہال میں ٹہلتے وہ تھک چکا تھا۔ یہاں ہال میں تو رکنا مشکل تھا لہٰذا اسٹڈی کی طرف چلا آیا' صوفہ پہ بیٹھے اور ساری صورت حال کو سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتا ہی نہیں چلا۔

اسے اپنے کمرے میں جانا چاہیے کیونکہ اگر کسی نے اسے یہاں دیکھ لیا تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ یہی سوچتا وہ نہایت رازداری سے نکل کر اپنے کمرے میں پہنچا۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ اندر آکر اس کی نگاہ بیڈ پہ پڑی جہاں رات والے عروسی جوڑے میں رباب بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے دروازہ لاک کر دیا۔ اسے رات کے وہ پل یاد آئے جب اسے وہ تلخ حقائق پتا چلے جنہیں سن کر کوئی بھی اپنے ہوش کھو بیٹھتا۔

وہ سچ سننا چاہتا تھا اور رباب کو سچ بتانے میں ہرگز عار نہیں تھا۔ رافع سے تعلقات سے لے کر اپنے آدھی رات کو گھر سے بھاگنے کا ہر واقعہ رباب نے سکندر کو کہہ سنایا تھا۔ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی' کر چکی تھی پر اس بات سے خوش نہیں تھی اور اسے اس بات پہ بھی پشیمانی نہیں تھی کہ سکندر اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ یہ بات سکندر کو اور بھی تکلیف دے رہی تھی۔

"میں مانتی ہوں آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے' لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں کیونکہ مجھے بھی زبردستی اس شادی کے لیے مجبور کیا گیا۔" اس نے شادی سے انکار کیوں نہیں کیا' وہ اگر کسی اور کو چاہتی تھی تو کیوں اس زبردستی کے بندھن کے لیے ہاں کی جیسے سکندر کے سوالوں کا اس نے بہت اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"آپ چاہیں تو اپنی اور میری مشکل آسان کر سکتے ہیں۔" سکندر اس کی بات پہ چونکا تھا۔ عجیب لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پہ نہ تو کسی پریشانی کی رمق تھی نہ شرمندگی کا شائبہ۔ وہ اس کا شوہر تھا' اس کے ماضی سے باخبر تھا اور وہ اس بات سے ذرہ برابر نہیں ڈری تھی۔ ایک طرح جیسے اس کے لیے یہ سب اچھا ہی ہو گیا تھا۔

"آپ مجھے طلاق دے دیں' چھوڑ دیں مجھے۔" وہ اس کی فرمائش پہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں' آپ کو تھوڑا سا بھی اندازہ ہے اگر ایسا ہو گیا تو عداوت و دشمنی کی آگ میں میری بہن اور آپ کے بھائی کی زندگی خراب ہو جائے گی۔" اس کا لہجہ خشک تھا۔ حیرت ہے کوئی لڑکی اپنی شادی کی رات ایسی بات منہ سے کیسے نکال سکتی ہے۔

"میں نے سب کی زندگی بچانے کا ٹھیکا نہیں لے رکھا' میری زندگی برباد کرتے ہوئے جب کسی نے ایک بار بھی نہیں سوچا تو میں ان سب کے لیے کیوں سوچوں۔" وہ اس کی خود غرضی پہ کچھ اور خائف ہوا تھا۔ عورت تو قربانی کا دوسرا نام ہے۔ محبت و ایثار کی مثالیں اسی سے وابستہ ہیں پھر یہ کیسی عورت ہے جو محبت کے منہ زور گھوڑے پہ سوار اپنے خونی رشتوں کی عزت روندتے ہوئے آگے بڑھ جانا چاہتی ہے۔

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟" وہ اس کی آخری حد دیکھنا چاہتا تھا۔

"آپ میرے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ پائیں گے' میرا ساتھ آپ کو کبھی سکون نہیں دے سکتا' کیا آپ اس لڑکی کے ساتھ خوش رہ سکتے ہیں جو آپ سے نہیں کسی اور سے محبت کرتی ہے۔" اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ ماتھے پہ ناگوار لکیریں نمایاں ہوئیں۔

"صاف سی بات ہے ہمارے اختلافات کا اثر شہرینہ کی زندگی پہ بھی آئے گا۔ میرے پیرنٹس ابھی مجھ سے نالاں ہیں لیکن یہ ہمیشہ نہیں رہے گا جب انہیں پتا چلے گا میں یہاں خوش نہیں تو آپ کی بہن میرے گھر میں خوش نہیں رہ پائے گی۔" اس کے انداز میں چیلنج تھا۔

اس گرم رات میں ایک سرد آہ سکندر کے سینے سے خارج ہوئی۔ کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ یا تو یہ لڑکی شدید ضدی اور ہٹ دھرم ہے یا پھر بلا کی بے وقوف۔ جو شخص اسے محبت کا جھانسا دے کر مقررہ وقت پر وہاں نہیں پہنچا اس کا مطلب وہ اس کی ذمہ داری اٹھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا اور یہ اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہیں الٹا اپنی شادی شدہ زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کا گھر اور والدین کی عزت بھی خراب کرنے پہ تلی ہے۔ اس سے بحث کرنا فضول ہے۔ وہ کمرے سے چلا آیا تھا۔

اور اب ایک بار پھر وہ اسی کمرے میں تھا۔ وہ پرسکون سو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کل رات کی تلخی سکندر کے حلق میں اتر آئی۔ چند لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے شفاف چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ یقیناً" وہ بعد میں روتی رہی تھی۔ سوتے میں اس کا چہرہ بہت معصوم اور بے ریاں لگ رہا تھا۔ سکندر کو وہ رات یاد آئی۔

"سنا ہے چہرہ دل کی کتاب ہوتا ہے۔" مسکراہٹ کی لکیر نے اس کے ہونٹوں کو چھوا۔ وہ ایک ٹک اسی کو دیکھ رہا تھا اور اسی پل رباب نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے وہ اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ سکندر نے آنکھیں نہیں ہٹائیں اور پھر جیسے اسے سب یاد آگیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سکندر اب بھی اسی کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پورے استحقاق کے ساتھ اور ایسا کرتے ہوئے اس کے ذہن سے رات کی تلخ کلامی محو ہو چکی تھی۔

رباب کو لگا وہ آنکھوں کے راستے اس کے اندر تک جھانک رہا ہے۔ اس کا دل کانپ گیا۔ وہ سکندر کی نظروں کی تاب نہیں لاسکی اگلے ہی پل اس نے اپنی نظریں جھکالیں۔ سکندر کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔ کل رات جو کہا گیا اس ایک نظر میں سکندر وہ سب فراموش کر چکا تھا۔ یقیناً" یہ محترمہ خاصی بے وقوف ہیں۔ جسے آپ کی نظریں موم کر دیں اس سے جنگ نہیں محبت ہو سکتی ہے۔



صبح کی دھوپ کمرے میں چھن چھن کر آرہی تھی' سرخ گلابوں کی مہک کمرے میں اب تک موجود تھی۔ وہ اب تک نیند کے خمار میں تھی جب سرفراز کی انگلیوں کی نرمی اس نے اپنے بالوں میں محسوس کی۔ وہ کسمسائی' نیند کے حصار سے نکلنے کی ناکام کوشش

کی۔ نیم وا آنکھوں سے اس نے سرفراز کو اپنے پہلو میں دیکھا۔ اس کی نظروں میں شہرینہ کے لیے ستائش تھی، محبت تھی۔ ایک خوب صورت مسکراہٹ اس کے لبوں تک آئی اور وہ اٹھ بیٹھی۔

"صبح بخیر زندگی۔" وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔ سب کچھ پالینے کا سکون اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

"تم اتنی جلدی اٹھ گئے۔ وہ ابھی اور سونا چاہتی تھی۔" اس کا ہاتھ سرفراز کے ہاتھ میں تھا۔ وہ لاپرواہی سے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے اس کے کنگن کو چھیڑ رہا تھا۔ یہ کنگن کل رات اسی نے شہرینہ کو منہ دکھائی میں دیے تھے۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں شہرینہ۔" ایسا کیا تھا جو اب تک اس نے نہیں کہا تھا۔ کل رات دیر تک وہ دونوں دنیا جہاں کی باتیں کرتے رہے تھے۔ دو سال ایک دوسرے کی چاہت اور محبت میں گزار کر بھی وہ ناامید تھے۔ یہی ڈر ہمیشہ سینے میں پنہاں تھا کہ وہ کبھی مل نہیں سکیں گے اور اچانک ہر منزل آسان ہو گئی۔ یوں جیسے برسوں کی پیاس ایک پل میں کسی نخلستان کے ملنے سے ختم ہو جائے۔

"بہت مشکل سے ہم دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ پایا ہے' یہ شاید ناممکن تھا اگر سکندر ہمارا ساتھ نہ دیتا تو میں تمہیں کبھی نہ پا سکتا۔" وہ اس کے سینے پہ سر ٹکائے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے لگا بھائی شادی سے انکار کردیں گے' آخر اپنی شادی کو لے کر ان کے بھی کوئی احساسات ہوں گے' کیا پتا ان کی بھی کوئی پسند ہو۔" سرفراز ایک پل کو چپ ہو گیا۔ وہ اسے ابھی کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ شاید یہ قبل از وقت تھا۔ سکندر کے دل میں کوئی ہے یا نہیں وہ نہیں جانتا تھا' لیکن رباب! پتا نہیں اس نے وہاں جاکر کیا تماشا کیا ہو گا۔ وہ اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھا۔ وہ جس حد تک جا چکی تھی اس سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی۔ وہ گہری سوچ میں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" شہرینہ اس کی منتظر تھی۔

"شہرینہ تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا' چاہے کچھ بھی ہو جائے تم مجھ سے بدگمان نہیں ہو گی۔ شادی جہاں ایک مضبوط بندھن ہے وہیں یہ بہت نازک رشتہ ہے۔ ہمارے تعلق میں بہت سے دوسرے لوگ بھی انوالو (شامل) ہیں۔ تم کسی اور کی غلطی کی سزا مجھے نہیں دو گی۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔ شہرینہ اسے کیا بتاتی کہ کچھ ایسی ہی سوچ اسے بھی گھیرے ہوئے تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی رباب اور سکندر کا تعلق کیسا ہو گا۔ وہ اپنے بھائی کی بردبار طبیعت اور تحمل مزاجی سے واقف تھی' لیکن رباب کو نہیں جانتی تھی۔ پتا نہیں ان دونوں کو ایک دوسرے کو جاننے میں کتنا وقت لگے۔

"میری زندگی میں تمہارا کیا مقام ہے یہ تم بہت اچھی طرح جانتی ہو اور اس گھر میں اپنا مقام تمہیں خود بنانا ہے۔ میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہوں۔ بس تمہیں مجھ پہ بھروسا رکھنا ہو گا۔" شادی کی پہلی صبح ان دونوں نے کچھ ایسے ہی وعدوں اور آنے والے اچھے دنوں کی امید کرتے گزاری۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار تھے۔



"تم نے بتایا نہیں سکندر بھائی نے تمہیں منہ دکھائی میں کیا تحفہ دیا۔" شہرینہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی میکے آئی تھی۔ رسم کے مطابق رباب کو بھی اپنے گھر جانا تھا۔ سرفراز اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ سب لوگ ہال میں تھے جب کہ شہرینہ' رباب کے کمرے میں اس کا بیگ پیک کرنے میں اس کی مدد کررہی تھی۔ یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ شہرینہ جلد گھلنے ملنے والی تھی' لیکن رباب قدرے سنجیدہ تھی۔ وہ خود کو اجنبی محسوس نہ کرے اسی لیے وہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کررہی تھی جس کا جواب رباب ہاں نہیں میں ہی دے رہی تھی۔ شہرینہ نے اس کو سرفراز کا تحفہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔ اس کی کلائی میں پہنے طلائی کنگن دیکھتے ہوئے رباب کو وہ مخمل کا ڈبا یاد آیا جو اس کے پاس ہی پڑا تھا پر نہ سکندر اسے دے پایا اور نہ وہ خود اس میں دلچسپی رکھتی تھی۔

"کچھ بھی نہیں دیا، شاید تمہارے بھائی کو ان سب چیزوں کی سمجھ ہی نہیں ہے یا پھر وہ مجھے کوئی تحفہ دینا ہی نہ چاہتے ہوں۔" شہرینہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ تو کیا سکندر واقعی اس شادی سے خوش نہیں۔ اس نے زبردستی کا بندھن باندھ تو لیا ہے پر وہ اس رشتے کو نبھا نہیں پا رہا۔ رباب نے کن انکھیوں سے شہرینہ کی طرف دیکھا جو اس وقت گہری سوچ میں تھی۔ اس کا تیر نشانے پہ لگا تھا اور وہ دل ہی دل میں بہت خوش تھی، لیکن نہیں جانتی تھی اس کی یہ خوشی وقتی ثابت ہوگی۔ سکندر سے سب کو بدگمان کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

دو دن بعد گھر جا رہی تھی، ساجدہ تو اس کے لیے خاصی بے چین تھیں۔ لاڈلی بیٹی کو دیکھ کر خود پہ قابو نہیں رکھ سکیں، مگر شوکت شہریار کا رویہ سرد تھا۔ وہ تو سمجھی تھی گھر جا کر خوب آنسو بہائے گی، دو دن کی جدائی میں شوکت شہریار نڈھال ہو چکے ہوں گے بیٹی کو دیکھتے ہی سارے گلے شکوے بھول جائیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ دونوں بھائی بھی باپ کی وجہ سے کھنچے کھنچے تھے۔ پورا دن اجنبیوں کی طرح گزار کر وہ شام کو سکندر کے ہمراہ سسرال چلی آئی۔



سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں آخری سانسیں لے رہا تھا۔ آسمان پہ آخری دنوں کا چاند اداس اور تنہا تھا۔ کچھ ایسی ہی اداسی اور تنہائی اس کے اندر بھی موجود تھی۔ شادی کے ہنگامے ختم ہوئے اور زندگی اپنی روٹین پہ لوٹ آئی تھی۔ رباب اور اس کے درمیان حائل خلیج کچھ اور بھی وسیع ہو گئی تھی۔ اس کی ذات سے جڑا سچ اپنے سینے میں چھپائے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کی اذیت سے بے خبر رباب ہر طرح اسے زچ کرنے پر تلی تھی۔ شادی کی پہلی رات کے بعد ان دونوں کے درمیان بات نہ ہونے کے برابر تھی لیکن وہ اب اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اپنی ذات تک جو شکایت اسے رباب سے تھیں وہ انہیں برداشت کر رہا تھا مگر اب بات بڑھ چکی تھی کیونکہ آج فرخندہ نے اس سے چند باتیں کی تھیں۔

"سکندر! مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی بیٹا۔" وہ ابھی شہر سے واپس آیا تھا۔ خود کو کام میں مصروف کرنے کے پیچھے اس وقت مقصد زیادہ سے زیادہ وقت رباب سے دور رہنا ہی تھا۔

"جی امی بولیں۔" فرخندہ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ کچھ پریشان لگ رہی تھیں۔

"بیٹا یہ رباب کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ اتنے دن ہوگئے ہیں شادی کو، نہ ہنستی بولتی ہے نہ ہی گھر کے کسی مسئلے میں دلچسپی لیتی ہے۔ تم بھی شادی کے بعد چپ چپ ہو۔ تم دونوں کے درمیان سب ٹھیک ہے نا؟؟" حالانکہ اب تک وہ بہت نارمل نظر آرہا تھا یا شاید اس کا خیال تھا۔ سب کے ساتھ اس کا رویہ پہلے جیسا ہی تھا۔ خود کو لاپروائی کے خول میں چھپائے اس نے تو اپنے والدین کو اپنی پریشانی کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی پھر کیسے اس کی ماں کو اسی کی خاموشی میں سوالیہ نشان دکھنے لگے۔

"ایسی کوئی بات نہیں امی، آج کل کام کا بوجھ کچھ زیادہ ہے اور جہاں تک رباب کی بات ہے آپ جانتی ہیں اس کے لیے یہ سب نیا ماحول ہے، کچھ وقت لگے گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اب تک وہ خود بھی ان ہی توجیحات کے سہارے جی رہا تھا۔ پر کب تک اس خود فریبی کی سہارے وقت گزرے گا۔

"لیکن سکندر پتا نہیں۔ مجھے کیوں ایسا لگتا ہے وہ اس شادی سے خوش نہیں ہے بیٹا۔ کہیں تم نے تو کچھ......" وہ خاصی پریشان تھیں ایک تو شہرینہ کی بدولت منہ دکھائی والی بات ان کے کانوں تک پہنچ گئی تھی اور انہیں خاصی حیرت ہوئی تھی کیونکہ منہ دکھائی کے حوالے سے تو فرخندہ نے خود سکندر کو تاکید کی تھی اور ان کے مطابق وہ کوئی تحفہ خرید بھی چکا تھا۔

"امی کیا آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "کیا رباب نے آپ سے کچھ کہا ہے؟؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

اور پھر فرخندہ نے اسے آج کے دن کے حوالے

سے جو خبر سنائی وہ اس کی پریشانیوں میں ایک نیا اضافہ تھا۔ حویلی کی پرانی ملازمہ، جو رباب کے کمرے کی صفائی کے دوران اس سے باتیں کرتے ہوئے سکندر کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی رباب نے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلادی۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ سب کو بظاہر بہت اچھا اور سب سے محبت کرتا دکھائی دینے والا سکندر فقط منافق ہے۔ وہ یہ سب دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے کرتا ہے اور اس کے برعکس وہ نہ ایک اچھا انسان ہے اور نہ اچھا شوہر۔

ملازمہ نے حرف بہ حرف سب فرخندہ کو کہہ سنایا جن کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔ یہ دونوں ایک ساتھ خوش نہیں ہیں تو یہ بات کب تک رباب کے گھر والوں سے چھپی رہ سکے گی اور اس کا اثر ان کی معصوم بیٹی کی زندگی پہ پڑے گا یہ سوچ کر ان کی تو جان ہی نکل گئی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے، بس اندر ہی اندر ایک خوف کھائے جارہا ہے کہیں تمہاری اور رباب کی دوریاں شہرینہ کی زندگی میں کوئی طوفان نہ لے آئیں۔" سکندر کا سکون تو اسی دن سے دھرم بھرم ہو گیا تھا جب اس نے آدھی رات کو رباب کو شوکت شہریار کی حویلی چھوڑا تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتا، کیونکہ سچ کہنے سے بدنامی اور رسوائی اگر رباب کے حصے میں آتی تو اس کے چھینٹے خود اس کے دامن پہ آتے۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں امی، میں اس کی نوبت نہیں آنے دوں گا۔" وہ انہیں دلاسا تو دے چکا تھا لیکن اس وقت سے یہی سوچ رہا تھا کہ وہ رباب کو کیسے سمجھائے۔ وہ کسی اور کو چاہتی ہے اور سکندر سے شادی زبردستی ہوئی ہے اس سچ کے ساتھ تو وہ پہلے ہی جی رہا ہے۔ پھر اب گھر کے ملازموں کے سامنے ایسی باتیں کہہ کر وہ اپنے لیے تو کیا ہی اچھا کرے گی الٹا سب کی نظروں میں اپنا مقام بھی گنوا دے گی۔

"امی خاصی پریشان ہیں، تم نے رحمت سے جو کچھ کہا وہ اس کی وجہ سے بہت اپ سیٹ ہیں۔ انہیں لگ رہا ہے شاید ہمارا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔" اس کو بغور دیکھتے ہوئے وہ نپے تلے لفظوں میں اس سے متوجہ تھا۔ بیڈ پہ بیٹھی وہ اپنے پاؤں کے ناخنوں پہ نیل پالش لگانے میں مصروف بظاہر اسے یہی تاثر دے رہی تھی کہ وہ اس کی طرف سے لاپروا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ جب جب سکندر اس کمرے میں موجود ہوتا وہ دل ہی دل میں شدید الجھن کا شکار رہتی۔ بلاوجہ نروس ہوتی۔ خود پہ لاپروائی کا ملمع چڑھائے وہ اسے اگنور کرنے کی اداکاری کرتی لیکن وہ سکندر کو اگنور نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی شاندار شخصیت اور پرسکون انداز رباب کو پریشان کرتا تھا۔ وہ متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا رکھ رکھاؤ، اس کا لب و لہجہ، اس کی آن بان بری طرح اس کے حواسوں پہ سوار رہتے۔

وہ اگر غیر جانب داری سے کام لیتی تو سکندر اور رافع کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ رافع کی طرف رباب کی کشش اس کی بے تحاشا ذہانت کی وجہ سے شروع ہوئی، وہ بہترین اسٹوڈنٹ تھا اور رباب کو اس کا بہترین ہونا اپنی طرف کھینچتا تھا۔ رافع لوئر کلاس کا نمائندہ تھا، لاکھ کوشش کے باوجود اس کی باتوں میں عامیانہ پن اور احساس کمتری جھلکتا تھا۔ جبکہ سکندر کے ہر انداز میں اعتماد نمایاں تھا۔

اتنی ٹینشن کے ماحول میں بھی وہ اپنی وضع داری جانے نہیں دیتا تھا۔ رباب سے تو اس کی مختصر بات ہی ہوئی تھی لیکن اکثر وہ جب کمرے میں ہوتا تو کاروباری معاملات کے سلسلے میں یا پھر اپنے دوستوں سے فون پہ بات کرتا۔ اس کا لہجہ بہت ٹھہرا ہوا، اس کی آواز پر اثر اور اس کے چہرے پہ سنجیدگی واضح ہوتی۔ وہ بہت نپے تلے الفاظ میں بہت جامع بات کرتا۔ ایک ہارورڈ گریجویٹ کی قابلیت اس کی بات چیت سے عیاں ہوتی تھی۔

"مجھے اس کی بالکل پروا نہیں وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ لگامیں ڈال کے رکھیں اپنے ملازموں کو، آئے دن کے قصیدوں سے تنگ آگئی ہوں میں۔ ایسا لگتا ہے اس گھر میں سوائے میرے سب ہی آسمانی مخلوق ہیں۔" نیل پالش بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پٹخ کر وہ

ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلی گئی۔ اس کی نظریں رباب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں وہ اچھی طرح جانتی تھی اور یہی بات اسے مزید چڑا رہی تھی۔ اس نے گھر کے ہر فرد کو سکندر کی تعریف کرتے سنا تھا۔ یہاں تک کے شوکت شہریار اور اس کے بھائی بھی سکندر کے نام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ وہ کسی ملازم سے اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا یہ وہ چند روز میں دیکھ ہی چکی تھی۔ وہ اس کی بدتمیزیوں پہ اس کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس کے تحمل سے خائف تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ سکندر اسے برا بھلا کہے' اس سے لڑے جھگڑے تاکہ وہ ایک ٹھوس جواز بنا کر اس گھر سے نکل سکے۔ یا اس سے تنگ آجائے اور اسے اپنی زندگی سے خود ہی نکال باہر کرے پر اتنے دنوں میں اس نے ایک بار بھی رباب سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ اس کے لیے مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے رباب کے متعلق نہ صرف اپنے گھر میں کسی سے ذکر کیا تھا بلکہ اس کے والدین سے بھی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔

"کیا یہ مناسب ہے ہمارے آپس کے معاملات گھر کے ملازموں تک پہنچیں۔ تمہیں اگر کوئی شکایت تھی بھی تو مجھ سے کہتیں میں خود سب کو سمجھا دیتا۔" ہاتھوں پہ لوشن لگاتے ہوئے اس نے شیشے میں نظر آتے سکندر کے عکس کو دیکھا جو رخ موڑے اب بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا جواب رباب کو مزید تپا گیا تھا۔

"اسے غصہ کیوں نہیں آتا' لگتا ہے اس کے احساسات پتھر کے ہیں۔" وہ بس سوچ ہی سکی۔

"تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو اور میں تمہارا مسئلہ سمجھتا ہوں۔ تم ہمارے رشتے کو قبول نہیں کرپا رہیں اور شاید میرے لیے بھی یہ سب مشکل ترین ہے لیکن میں نہیں سمجھتا ہماری ذاتی زندگی گلی محلوں کا گوسپ بن جائے۔" وہ اب بھی اسے لاجک سے قائل کر رہا تھا۔ رباب نے مڑ کر دیکھا۔ سکندر کی آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ تو خیر اس میں نہیں تھا۔ کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں... گہرائی' سنجیدگی' سکون' نامعلوم کشش' حرارت' ذہانت... اف وہ ہمیشہ کی طرح اس کے اندر تک جھانک رہی تھیں اور اسے کمزور کر رہی تھیں۔

"نہیں... میں اس شخص کے لیے نہیں بنی' میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔" ہر بار کی طرح اس بار بھی اس نے گھبرا کر اپنی پلکوں کی جھالر تلے اپنی آنکھوں کو چھپالی۔ اسے جلد کچھ کرنا ہو گا یہاں سے نکلنے کے لیے... پر کیا۔ رافع سے اب تک اس کا کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا موبائل فون تو شوکت شہریار کے پاس تھا اور اس گھر میں فون کوریڈور میں رکھا تھا جہاں ملازموں کی آمدورفت کے باعث اس کے لیے رافع کو کال کر بہت مشکل تھا۔



رمضان سے ایک دن پہلے سرفراز اسے گھر لایا تھا۔ ساجدہ کی خواہش تھی کہ رمضان کا چاند رباب یہاں آکر دیکھے۔ شہرینہ بھی میکے گئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں تو خیر چند دن کے لیے ہنی مون سے بھی ہو آئے تھے۔ رباب کے لیے شوکت شہریار کی خاص ہدایت تھی کہ اسے آئے دن میکے نہ بلایا جائے وہ جتنا زیادہ وقت سسرال میں رہے گی اتنی جلدی ایڈجسٹ کر جائے گی۔

"کیا ہوا ہے کچھ بتائے گی بھی یا بس روتی ہی رہے گی۔" وہ ماں کے سینے سے لگی زاروقطار رو رہی تھی۔ ساجدہ کی تو جان پہ بن گئی۔ وہ ان کی لاڈلی بیٹی تھی۔ جو بھی تھا پر وہ اس سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی تھیں۔

"کیا بتاؤں کہ کس جہنم میں پھینک دیا ہے آپ لوگوں نے مجھے۔" رباب نے اپنی بھڑاس نکالی۔ ساجدہ مزید پریشان ہو گئیں۔

"اللہ خیر کرے کچھ بتا تو سہی ہوا کیا ہے سکندر نے کچھ کہا ہے کیا؟" رباب کو حوصلہ ہوا۔ وہ ماں کی طبیعت سے واقف تھی۔ ان تینوں نے اپنے آنسوؤں سے اکثر انہیں بلیک میل کیا تھا۔

"یہی تو رونا ہے سارا' وہ کچھ کہتے ہی نہیں ہیں۔ اتنے دن ہوگئے ہماری شادی کو وہ مجھ سے سیدھی منہ بات بھی نہیں کرتے ہیں۔ اتنا سرد رویہ ہو شوہر کا تو سسرال والے کس گنتی میں لکھیں گے۔ آپ خود سوچیں۔" وہ سوچی سمجھی لائنیں بول رہی تھی۔ اب اگر کوئی بات ہی نہ ہو تو بات ایسے ہی بنائی جاسکتی تھی نا۔

"تیرے بابا تو بڑی تعریفیں کرتے ہیں اس کی' سرفراز بھی سکندر کے نام کا کلمہ پڑھتا ہے کہ بڑا سمجھ دار اور تحمل والا ہے۔" ساجدہ مخمصے میں پڑ گئیں۔ بیٹی کی بات کا یقین کیسے نا کرتیں۔

"یہ سب بابا کا ہی کیا دھرا ہے۔ انہیں تو بس رافع سے خار تھی اس لیے مجھے زبردستی کسی کے بھی پلو سے باندھ دیا۔ اور سرفراز بھائی کی تو آپ رہنے ہی دیں۔ شہرینہ یہ موٹے موٹے کنگن ہاتھوں میں سجائے اتراتی پھرتی ہے جو اسے میرے بھائی نے منہ دکھائی میں دیے اور آپ کے داماد نے میری کیا قدر اٹھائی۔" اپنی انگلی کی پوروں سے اپنے نادیدہ آنسوؤں صاف کرتے ہوئے وہ تنگ کر بولی۔ ساجدہ کو منہ دکھائی والا قصہ معلوم تھا۔ شادی کے بعد شہرینہ کو اور پھر ساجدہ کو بھی رباب نے یہی کہا تھا کہ سکندر نے اسے منہ دکھائی میں کچھ نہیں دیا۔ اس وقت ساجدہ نے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

"میں کروں گی تیرے بابا سے بات' وہ سکندر سے خود بات کریں گے۔" اس نے رباب کو دلاسا دیا۔ وہ اس معاملے میں خاصی بے اختیار تھیں۔ شوکت شہریار نے انہیں واضح لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ رباب کا مسئلہ فقط وہ خود دیکھیں گے۔

"بابا سے بات کی تو وہ کبھی نہیں مانیں گے' انہیں لگے گا شاید میں ہی بہانے بنا رہی ہوں۔" وہ جانتی تھی باپ کے سامنے اس کی دال گلنے والی نہیں۔

"اچھا تو پھر کیا کروں' آخر کیسے اس مسئلے کو حل کیا جائے۔" وہ تنگ کر بولیں۔ ایک تو انہیں پریشان کردیا اپنے دکھڑے سنا کر اس پہ کھل کر بات بھی نہیں کرنے دے رہی۔

"سکندر کی بہن یہاں راج کر رہی ہے اور وہاں میں کسی گنتی میں ہی نہیں۔ اس گھر میں میرے ساتھ زیادتی ہوتی رہے اور ان کی بیٹی یہاں عیش کرے۔" وہ ساجدہ کو اشارہ دے رہی تھی۔ اتنے دن سے سکندر کو ہر طرح تنگ کرنے کے باوجود وہ اس کا ضبط توڑ نہیں پائی تھی۔ اپنی بہن کی خاطر ہی تو وہ اس کی ہر غلطی کو اگنور کر رہا ہے نا' تو کیوں نا تکلیف وہاں سے پہنچائی جائے جہاں درد بھی زیادہ ہوگا۔



رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ شروع ہوچکا تھا۔ سحر و افطار کی رونقیں ایک بار پھر لوٹ آئی تھیں۔ اس بار اس کا اپنے سسرال میں پہلا رمضان تھا۔ شہرینہ نے شادی کے بعد بہت جلد خود کو ایڈجسٹ کیا تھا۔ وہ سرفراز کی من پسند تھی' وہ اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس کی خاطر کچھ بھی کرسکتا تھا اور کچھ ایسا ہی حال شہرینہ کا بھی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے سسرال والوں کے دل میں بھی اپنی جگہ بنانے کا پورا جتن کر رہی تھی۔ بہت جلد گھر کے معاملات میں اس نے دلچسپی ظاہر کرنا شروع کردی تھی۔

ذمہ دار وہ ہمیشہ سے تھی اور اب اس بات کا خصوصی خیال رکھتی کہ کسی کو اس کی ذات سے کوئی شکایت نہ ہو۔ ساجدہ بھی اس سے بہت خوش تھیں۔ بہو کے ساتھ ان کی اچھی نبھ رہی تھی۔ اتنے کم وقت میں گھریلو ملازمین اس کے گن گانے لگے تھے۔

وہ اپنی طرف سے مکمل مطمئن تھی کہ گھر والوں میں اپنا اچھا مقام بنا چکی ہے لیکن آج ساجدہ کے رویے نے اسے حیران کردیا تھا۔ بات انتہائی معمولی تھی' افطار کا سارا بندوبست اس نے اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔ ملازمہ کچھ باتونی تھی اور وہ یوں ہی اپنے میکے کا تذکرہ لے بیٹھی۔ اسی وقت ساجدہ وہاں آگئیں اور انہوں نے ملازمہ کے ساتھ اس کے ہنسی مذاق اور

گھر کے قصے کہانیاں کرنے پہ اسے بے نقط سنائیں۔ اپنی اتنی بے عزتی وہ بھی گھر کے نوکروں کے سامنے ہوتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے تو ہمیشہ پوری کوشش کی تھی کہ کسی کو اس کی ذات سے شکایت نہ ہو۔ شاید ساجدہ کا موڈ ٹھیک نہیں تھا اسی لیے وہ اتنی سی بات پہ بھڑک اٹھیں۔ اسے تکلیف تو ہوئی پر اس نے نظر انداز کیا اور اگلی بار کے لیے اپنی طرف سے اور زیادہ محتاط ہو گئی۔ لیکن ساجدہ کی طرف سے بے عزتی کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ وہ معمولی معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر اسے ملازموں کے سامنے ڈانٹ دیتیں اور شہرینہ نہایت ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی سب باتوں کو درگزر کرتی رہی۔ لیکن آج تو انہوں نے حد ہی کر دی تھی۔ شہرینہ کسی کام سے ساجدہ کے کمرے میں گئی تو وہ رباب سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ شہرینہ کو دیکھ کر ان کے منہ کا زاویہ یک دم بگڑا اور انہوں نے شہرینہ کو بغیر کسی بات کے سنا ڈالیں۔

"میری بیٹی پہ تمہارا بھائی ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ گھر میں اس کی دو کوڑی کی قدر نہیں اٹھاتے تمہارے ماں باپ۔ میری نازوں سے پلی بچی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی اور تم یہاں موجیں کر رہی ہو۔ اس حویلی کی مالکن بنی ہوئی ہو۔ مجھے پتا ہے یہ سب اس زن مرید کے سر پہ ہو رہا جو بیوی کی خاطر بہن کو تو بھول ہی بیٹھا ہے۔"

شہرینہ حیرت سے ان کا منہ تکتی رہی جو نا جانے اس پہ' اس کے بھائی اور اس کے والدین پہ کیسے کیسے الزامات لگا رہی تھیں۔ جہاں تک وہ جانتی تھی رباب نے سسرال میں تعلق بہت محدود رکھا ہوا تھا۔ وہ نہ تو گھر کے کسی کام میں دلچسپی ظاہر کرتی تھی نا ہی فرخندہ سے سیدھے منہ بات کرتی تھی۔ اور تو اور سکندر سے اس کے تعلقات خوشگوار نہیں اس کا اندازہ بھی اسے فرخندہ کی باتوں سے ہو چکا تھا لیکن اس سب کے باوجود وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے گھر میں رباب کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی ہے۔ اسے ساجدہ کی باتوں سے تکلیف ہوئی تھی۔ پتا نہیں رباب اس کے گھر والوں اور اپنے شوہر پہ ایسے تہمت کیوں لگا رہی ہے۔

"کیا ہوا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے' یہ منہ کیوں اترا ہوا ہے۔" سرفراز کمرے میں آیا تو اسے گہری سوچ میں پایا۔ کیا اسے سرفراز کو آج کی بات کے متعلق بتانا چاہیے۔ نہیں وہ بلاوجہ پریشان ہو جائے گا اور اگر اس نے ساجدہ سے کچھ کہہ دیا تو وہ شہرینہ سے مزید نالاں ہو جائیں گی۔

"سر میں کچھ درد تھا۔" خود پہ قابو پاتے اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن اس کے لبوں کی مسکراہٹ آنکھوں تک نہ پہنچ پائی۔

"کیا ہوا شہرو.... تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں تم آج کل بہت چپ چپ رہتی ہو۔ کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے کہو۔" وہ اس کی سب سے بڑی ڈھال تھا یہ سوچ کر اسے تسلی ہوئی۔ سرفراز نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہی ہو کہ یہاں کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہ دوں لیکن کچھ نہ کچھ ایسا ہو ہی جاتا ہے' جس سے آنٹی کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔" وہ بتانا نہیں چاہتی تھی اور سرفراز سننے پہ بضد تھا۔ چاروناچار اسے بتانا پڑا۔

"سرفراز مجھے نہیں پتا رباب ایسا کیوں کر رہی ہے...." وہ ایک تامل سے بولی۔ سرفراز نے بغور اسے دیکھا۔

"سکندر بھائی اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتے اتنا مجھے یقین ہے اور امی بھی اس کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ الٹا وہ ہی سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتی نہ ہی اس نے آج تک اس گھر کو اپنا گھر سمجھا ہے۔" پتا نہیں سرفراز کا اپنی بہن کے خلاف سن کر کیا ردعمل ہو۔ اندر ہی اندر وہ کچھ ڈری ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس نے ہمت کر کے آج کی ساری بات بتا دی۔ ایک سرد آہ سرفراز کے سینے سے خارج ہوئی۔ رباب کی بے وقوفانہ باتوں میں آ کر ساجدہ' شہرینہ کے ساتھ زیادتی کر رہی

تھیں۔ سرفراز ساری بات سمجھ گیا تھا۔ شہرینہ کچھ نہیں جانتی تھی لیکن سرفراز باخبر تھا۔

"تم فکر نہ کرو' میں امی سے بات کروں گا اور رباب کو بھی سمجھاؤں گا۔" اسے یہ بات شوکت شہریار کے کان میں ڈالنی ہوگی۔ رباب اپنے ساتھ ساتھ اس کا گھر بھی خراب کر رہی تھی۔ ساجدہ کو اپنی جھوٹی کہانیوں سے بے وقوف بنا کر وہ اپنے ہی پیروں پہ کلہاڑی مار رہی تھی۔



وہ اوپر والے فلور پہ تھی جب اچانک اسے وہ نظر آیا۔ نچلے فلور پہ بہت سے لوگوں کے درمیان' اس شناسا چہرے کو پہچاننے میں اسے ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا اور پھر وہ وہاں سے پاگلوں کی طرح بھاگی۔ سیڑھیاں تیزی سے پھلانگتے وہ پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ خوشی' بے یقینی' جوش' غصہ... اس ایک پل میں کئی جذبے اس کے اندر امڈ آئے تھے۔ وہ ویسا ہی تھا۔ بالکل نہیں بدلا تھا۔ رباب کو دیکھ کر ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے بادل لہرائے اور اگلے ہی پل یہ بے یقینی ناگواری میں بدل گئی۔

"کہاں تھے تم' میں اس رات کتنی دیر تمہارا انتظار کرتی رہی... تم نے وعدہ کیا تھا نا مجھ سے کہ تم مجھے لینے آؤ گے۔" وہ ایک سانس میں کئی سوال پوچھتی رافع سے مخاطب تھی جو اس سے دو قدم کی دوری پہ خاموش کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ رباب کی آنکھیں بے اختیار چھلک گئیں۔ مال میں لوگوں کا ہجوم ان دونوں کو یکسر انداز کرتا اپنی روٹین شاپنگ میں مگن تھا۔ اسے تو یوں بھی اردگرد کی خبر نہیں تھی۔

رافع کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس کو کہے تو کیا کہے۔ ان دو قدموں کا فاصلہ رباب نے کب عبور کیا' کب وہ اس کے سینے میں منہ دیے زاروقطار رونے لگی وہ سمجھ ہی نہیں پایا۔ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے سکندر نے تذلیل اور غصے کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ کیا اس سے زیادہ شرمندگی کا لمحہ اس کی زندگی میں کبھی آیا تھا۔ وہ لب کاٹتا اپنی بیوی کو اس کے عاشق کے سینے پہ سر رکھے روتے دیکھ رہا تھا۔

عید میں اب چند دن ہی باقی تھے' عید کی تیاریاں تو رمضان کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ سرفراز نے شہرینہ کو اس کی مرضی کی شاپنگ کروائی تھی۔ ساجدہ اور شہرینہ کی خواہش تھی کہ سکندر بھی رباب کو اپنے ساتھ لے جا کر عید کی شاپنگ کروائے۔ آخر یہ ان دونوں کی ایک ساتھ پہلی عید تھی۔ جب سے ان دونوں کی شادی ہوئی تھی سوائے اس کے والدین کے گھر جانے کے وہ اور سکندر کہیں اکٹھے باہر نہیں گئے تھے۔ وہ فرخندہ کو انکار نہیں کر سکا تھا لیکن جانتا تھا رباب اس کے ساتھ نہیں جائے گی۔

ساجدہ نے بہت پیار سے اسے سکندر کے ساتھ شاپنگ پہ جانے کے لیے راضی کرنا چاہا اور حیرت انگیز طور پہ وہ مان گئی تھی۔ بہرحال سکندر مطمئن تھا شاید اسی طرح ان کے درمیان برف پگھلنے لگے۔ وہ سیاہ رات اب تک ان دونوں کی زندگی سے نہیں گئی تھی بلکہ رباب کا رویہ سکندر کو کچھ بھی بھولنے نہیں دیتا تھا۔ پہلی نظر میں اس کو پسندیدگی کی سند دینے کے باوجود سکندر کے لیے اس سچ کو قبول کرنا نہایت تکلیف دہ تھا کہ اس کی بیوی کسی اور سے محبت کرتی ہے۔

"اسٹاپ اٹ رباب۔" وہ دھاڑا۔ رباب نے یک دم رونا بند کر دیا۔

"بند کرو یہ تماشا سب لوگ ادھر ہی دیکھ رہے ہیں۔" اس کے وجود کو خود سے پرے دھکیلتا رافع نہایت غصے میں اسے دیکھ رہا تھا رباب تو رباب خود سکندر بھی حیران رہ گیا۔

"رافع... میں... وہ"۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ اس وقت کیا کہے۔ یہ وہی شخص تھا جو اس سے بے تحاشا محبت کا دعوا کرتا تھا۔

"نہ تو تمہیں اپنی عزت کا خیال ہے نہ اپنے باپ کی' لیکن میری عزت کی دھجیاں تو مت اڑاؤ۔" الفاظ

تھے یا کوڑے۔ اس کی آواز دھیمی تھی لیکن اس کے چہرے کے تاثرات چیخ چیخ کر رباب کو شرمندہ کر رہے تھے۔

"پہلے تو گھر سے بھاگ کر تم نے اپنے باپ کی عزت کو تاراج کیا اور اب یہاں پیچھا کر رہی ہو' اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی جب میں اس رات نہیں آیا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" وہ بے یقینی اور احساس ندامت میں گھری اس کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ بھی اس صورت میں جب تمہارے والدین اس رشتے کے لیے راضی نہیں۔" اس بار اس کی آواز دھیمی تھی۔

وہ رباب کی بجائے اپنے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں کسی کو کھوج رہی تھیں۔ سکندر بے حس و حرکت کھڑا اس ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو کیا... تم کو مجھ سے... محبت نہیں... تو بابا نے ٹھیک کہا تھا... تم ان کی دولت..." وہ آدھے ادھورے ٹوٹے بکھرے جملے بولتی اب بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز خود کلامی والا تھا۔ وہ اس وقت خود کو یقین دلا رہی تھی کیونکہ اب تک حقیقت سے نظریں چرائے وہ جس کی پرستش میں ساری دنیا کو چھوڑ چکی تھی۔ محبت کا بت بڑی بے دردی سے پاش پاش ہوا تھا۔

"گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی سے شادی کرنے کا مطلب اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ساری دنیا کے سامنے رسوا کرنا ہوتا ہے... اور یوں بھی تمہارے باپ بھائی نے پتا لگا ہی لینا تھا۔"

"مجھے گھر سے بھاگنے پر مجبور کرنے والی تمہاری منہ زور محبت تھی رافع۔"

"دیکھو رباب' میں تمہاری محبت میں اپنی بہنوں کا مستقبل تاریک نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور میری زندگی خراب کر سکتے تھے؟" وہ بہت بری طرح ٹوٹی تھی۔ اس تمام عرصے میں وہ اس کی محبت کے آسرے پہ ہی تو سب کچھ کر رہی تھی۔ کیا کچھ نہیں کیا تھا اس نے اپنی شادی توڑنے کے لیے۔ سکندر سے بدتمیزی' اس کے گھر والوں سے بے اعتنائی' ساجدہ کے ذریعے شہرینہ کی زندگی میں زہر گھولنا چاہا۔ اس کے گناہوں کی فہرست طویل تھی اور یہ شخص جس کے لیے وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی وہی اس کی تذلیل کر رہا تھا۔

"میں نے تمہاری زندگی خراب نہیں کی الٹا تم میرا مستقبل برباد کرنے پہ تلی ہو۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ' ویسے بھی میری شادی ہو چکی ہے اور میں دو تین ماہ تک امریکہ جا رہا ہوں۔" اچانک رافع کے چہرے کا رنگ بدلا۔ اس کی نظروں کے زاویہ کی تقلید کرتے ہوئے رباب کی نگاہ ایک دراز قد' چست جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس عام شکل و صورت کی لڑکی پہ پڑی۔ رباب کو رافع کی اس غیر ہوتی ہوئی حالت کی وجہ سمجھ آگئی۔

"تم ایک انتہائی گھٹیا اور خود غرض انسان ہو رافع۔" اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے رفع نے اپنے ماتھے پہ آئے پسینے کے چند قطرے پونچھے اور تیزی سے اس لڑکی کی طرف چلا گیا جو جانچتی نظروں سے رباب کو دیکھ رہی تھی۔

"تم یہاں ہو اور میں تمہیں ہر جگہ دیکھ چکی ہوں' کون ہے یہ لڑکی؟" امریکی لب و لہجے میں پوچھا جانے والا سوال رباب کے کانوں سے ٹکرایا۔

"اولڈ یونیورسٹی فیلو' لیٹس گو۔" اس کا ہاتھ تھامے رافع تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ رباب اسے ناقابل یقین حیرت سے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں نے ایک بار پھر برسنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اب بھی اسی ہجوم میں کھڑی تھی' اپنا ٹھکرایا ہوا وجود لیے... بے حیا... بے وقوف... اس کے دماغ میں کوڑے برس رہے تھے۔ اور پھر اس کی نگاہ سکندر پہ پڑی جو ایک خاموش تماشائی کی طرح بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔ اچانک رباب کو پورا مال گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا' اسے لگا اسے کسی نے بے

دردی سے آسمان سے زمین پہ دے مارا ہے۔ وہ سنبھل نہیں پائی اور مال کے ماربل فلور پہ گرنے ہی لگی تھی کہ سکندر کے مضبوط ہاتھوں نے اس کے وجود کو تھام لیا' بمشکل آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا۔ اس کے پاس بہت پاس سکندر کا پریشان چہرہ.... اس کے کلون کی بھینی مہک اس کی سانسوں میں اتر رہی تھی۔

اس نے اس کے ساتھ بہت برا کیا تھا پر سب سے زیادہ برا اس نے خود اپنے ساتھ کیا۔ کیا وہ اسے گرنے سے بچالے گا۔ غیر ارادی طور پر رباب نے اس کی قمیض کا کالر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ سکندر کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں اس کا بے ہوش وجود جھولنے لگا۔



"کیسی طبیعت ہے۔" اس کی آنکھ کھلی تو خود کو بستر پہ پایا۔ سکندر اس کے پاس فکر مندی سے بیٹھا تھا۔ کمرے کی اجنبی فضا میں رباب کو یہ سمجھنے میں کچھ وقت لگا کہ وہ اس وقت بیڈ روم میں ہے مگر یہ اس کا کمرہ اس کا بستر نہیں تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کا سر شدید دکھ رہا تھا۔ نقاہت سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ سکندر اب بھی فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے حصار میں اپنا بے ترتیب وجود اسے کچھ عجیب سا لگا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ جوس پی لو۔" بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ چند دوائیاں اور اورنج جوس کا گلاس دھرا تھا۔ رباب نے بنا کسی تامل کے ٹھنڈا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔" وہ متجسس تھی۔ شہر میں یہ کوٹھی سکندر کی ملکیت تھی جو حال ہی میں اس نے فیکٹری کا چارج سنبھالنے کے بعد خریدی تھی۔ کمرہ ویل ڈیکوریٹڈ اور ماڈرن فرنیچر سے آراستہ تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں نے واپس جانے کا پروگرام کینسل کردیا۔" وہ خاموش رہی۔ سکندر اسے کیا بتاتا' اس بکھری حالت میں اسے گھر لے جاکر وہ اپنے والدین کو کیا صفائی دے گا۔ وہ تو اپنی ماں کی خواہش پر اپنی بیوی کو عید کی شاپنگ کروانے نکلا تھا۔

"یہ دوائی لے لو اور ریسٹ کرو' تم بہتر محسوس کرو گی۔" اسے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ شدید دماغی دباؤ کے زیر اثر تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کا سامنا ایک انتہائی تلخ حقیقت سے ہوا تھا۔ اس کی خواہشات اور احمقانہ محبت کا بلبلا بے دردی سے پھوٹا تھا۔ اسے سنبھلنے کے لیے وقت درکار تھا اور سکندر اسے یہ وقت دینا چاہتا تھا۔

"آپ کہاں جارہے ہیں۔" اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ فکر مندی سے سکندر کو دیکھ رہی تھی جو کمرے سے باہر جارہا تھا۔

"میں باہر ہوں' تم آرام کرو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔ رباب بے چین ہوئی۔

"پوچھیں گے نہیں وہ کون تھا؟" اس کی خاموشی رباب کو اندر ہی اندر مار رہی تھی۔ وہ بھی تو وہاں موجود تھا۔ اس نے بھی تو سب کچھ دیکھا اور سنا ہوگا۔ پھر وہ اسے کچھ کہتا کیوں نہیں۔ وہ اس کی بیوی تھی اور سر عام اپنے عاشق کے لیے بے تاب ہورہی تھی۔ اور پھر .... وہ اسے چھوڑ گیا۔ رباب نے زور سے آنکھیں بند کرلیں۔ پلکوں پہ آنسوؤں کی بوندیں چمکنے لگیں۔

"تمہاری طبیعت پھر خراب ہوجائے گی رباب' کچھ مت سوچو اور سوجاؤ۔" اس نے بے یقینی سے سکندر کو دیکھا جو اپنی انگلی کی پوروں سے آنسوؤں کے قطرے سمیٹ رہا تھا۔ اسے تو ناراض ہونا چاہیے تھا' چیخنا چلانا چاہیے تھا۔ اسی شخص کی پاگل محبت میں وہ سکندر کی زندگی کو عذاب بنارہی تھی نا.... پھر کیوں وہ اس پہ طنزیہ ہنسی نہیں ہنس رہا۔ وہ طلاق چاہتی تھی۔ ہاں شادی کی پہلی رات اس نے یہی کہا تھا سکندر سے .... تو پھر وہ اب اسے کیوں نہیں جتاتا کہ وہ اسے طلاق دے رہا ہے اب بتائے وہ کس کے پاس جائے گی؟ لیکن وہ خاموش تھا۔ ہمیشہ کی طرح پرسکون۔ نہ کوئی طعنہ مارا تھا نہ اس کی ہٹ دھرمی پہ اسے باتیں سنائی تھی۔ رباب کو اس کی خاموشی سے وحشت ہورہی

تھی۔

"کس مٹی سے بنے ہو تم؟ تم دیوتا نہیں انسان ہو، اتنا کچھ دیکھ کر' اتنا کچھ سن کر بھی خاموش ہو۔" وہ چلائی۔ سکندر کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھے گالیاں دو... مارو مجھے۔ ڈانٹتے کیوں نہیں ہو سکندر؟ تمہاری بیوی سرعام تمہاری عزت کے ساتھ کھیل رہی تھی تم اسے بے شرمی کا طعنہ کیوں نہیں دیتے۔" وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ بین کرنے والے انداز میں روتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا کالر دبوچ رکھا تھا۔ وہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھی یا شاید ابھی ہوش میں آئی تھی۔

"رباب کام ڈاؤن (پرسکون ہو جاؤ)" اپنے کالر سے اس کے ہاتھوں کو ہٹاتے اس نے کسی بچے کی طرح اسے پچکارہ۔

"مجھے تمہاری یہ اعلا ظرفی اندر ہی اندر مار ڈالے گی۔ میں تمہاری اتنی اچھائی ڈیزرو نہیں کرتی سکندر۔ تمہاری خاموشی مجھے اذیت دیتی ہے۔" وہ ہسٹریائی انداز میں بڑبڑائی۔

"رباب تمہیں ابھی صرف آرام کی ضرورت ہے ہم اس موضوع پہ اس وقت بات کریں گے جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے اٹھنا چاہا لیکن رباب نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے چہرے پہ خوف تھا۔

"کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟ آج جو کچھ ہوا وہ سب کو بتا دو گے؟" اس کی آواز میں خوف تھا۔ اس کے ہونٹوں کی لرزش اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ بری طرح ٹوٹ گئی ہے۔ سکندر نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے جدا کیا۔

"سو جاؤ رباب اٹس گڈ فار یو۔" (یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا) وہ کمرے سے جا چکا تھا' اور وہ اب تنہا تھی۔ جانے سے پہلے سکندر نے لائٹ بند کی اور نائٹ بلب جلا دیا۔ اس نے نڈھال ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔ آج کی رات بہت بھاری تھی۔



کتنا آساں تھا تیرے ہجر میں جینا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

"تم کس مٹی سے بنے ہو سکندر؟ دیوتا نہیں انسان بنو..." وہ کمرے میں تنہا تھا اور رباب کے لفظوں کی بازگشت اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ کمرہ سگریٹ کے دھویں سے بھرا ہوا تھا۔ سکندر اپنی پریشانی اپنی بے بسی اس دھویں میں اڑانا چاہتا تھا۔ سوچوں کے اس بھنور سے نکلنا چاہتا تھا۔ آج جو بھی ہوا وہ غیر متوقع تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے اس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی بھی توقع کہاں تھی۔

وہ اسے کیسے سمجھاتا دیوتا ہونا آسان ہے انسان ہونا مشکل... اور وہ دیوتا نہیں انسان ہی ہے۔

"میں تمہیں کیسے بتاؤں رباب میرے سینے میں بھی دل ہے اور بدقسمتی سے وہ دھڑکتا بھی ہے۔" ایک تلخ ہنسی نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔ درد جب حد سے گزرتا ہے تو تکلیف نہیں ہنسی آتی ہے۔ وہ لوگ جو دوسروں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھتے ہیں' دوسروں کے دکھ درد کا سوچتے ہیں وہ کس قدر حساس ہوتے ہیں اس کا کسی کو اندازہ نہیں ہوتا۔ سکندر کا وجود بھی ایسی حساس مٹی سے گندھا تھا۔ اسے بھی تکلیف ہوتی تھی پر وہ اپنی تکلیف کبھی ظاہر نہیں کرتا تھا۔

وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا' اپنے دل کی بات' اپنی خواہشات' اپنی تکلیفیں اس نے کبھی ظاہر نہیں کی تھیں۔ اس کی خواہشات محدود تھیں' اس کی زندگی کا محور ہمیشہ ہی اس کے اپنے رہے تھے۔ اپنی بہن کی خوشیوں کی خاطر اسے اپنا آپ قربان کرنا ہرگز عجیب نہیں لگا تھا کیونکہ تاریخ گواہ ہے۔ بہنوں کی خوشیوں کے لیے بھائیوں نے بڑے سے بڑی قربانی دی ہے۔

وہ اس شادی سے خوش تھا اس وقت تک جب تک وہ رباب سے نہیں ملا تھا۔ اندھیری رات میں وہ پہلی ملاقات سکندر کا سکون برباد کر گئی تھی۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا ہاں یہ وہی ہے جس کی اسے ہمیشہ

سے تلاش تھی۔ دو دن بعد اس کی شادی تھی اور فقط دو دن پہلے وہ ایک اجنبی لڑکی کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو گیا تھا۔

کیا عجیب قسمت تھی وہ بن مانگی دعا کی طرح اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی میں تو آ گئی تھی لیکن سکندر اسے پا نہیں سکا۔ اس کے دل میں کوئی اور تھا۔ اس کی چاہت کوئی اور تھی۔ اس رات سکندر ٹوٹا بکھرا اور خود کو سمیٹ کر ایک بار پھر سب کے سامنے خوش ہونے کی اداکاری کرتا رہا۔ وہ اس سے تعلق ختم کرنا چاہتی تھی اور سکندر اس کی ضد

کیا وہ یہ سب فقط شہرینہ کے لیے کر رہا ہے؟ کئی بار اس نے خود سے سوال کیا۔ جواب نفی میں تھا۔ سچائی کچھ اور تھی۔ اسے رباب سے محبت تھی اور اس محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کی ہر بدتمیزی کو درگزر کر رہا تھا۔ وہ اسے حاصل کر چکا تھا پر پورے دل سے پانا چاہتا تھا اور ایک فقط یہی طریقہ تھا اس کے دل سے رافع کی بے وقوف محبت نکال کر اپنی جگہ بنانے کا وہ اسے وقت دے اور یہی وہ کر رہا تھا۔

لیکن آج جو کچھ ہوا وہ اس کے لیے بہت بڑا ذہنی شاک تھا۔ وہ اس کے لیے سب کچھ کر سکتا تھا پر یہ اعلا ظرفی کہاں سے لاتا کہ اس کی رافع کے لیے بے اختیاری دیکھ پاتا۔ وہ سب جو نظروں سے اوجھل تھا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ کسی سے محبت ہونا ایک بات ہے پر اس محبت میں اس کے ہاتھوں اپنا استحصال سہنا اور بات.... اسے لگا آج اس کا استحصال کیا گیا ہے۔

"کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟" آنکھیں بند کیں تو رباب کا خوف زدہ چہرہ سامنے آ گیا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

اک اور اذیت بھری رات ایک ہی چھت تلے ان دونوں نے دو الگ کمروں میں جاگ کر گزاری تھی۔



اس بات کو ایک ہفتے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ وہ اب تک سکندر سے نظریں ملانے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔ اس میں تو اس سے معافی مانگنے کی ہمت بھی نہیں تھی اور اسے لگتا تھا سکندر کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آخر اس کا مقام ہی کیا تھا سکندر کی زندگی میں.... وہ پہلے دن سے اس کے لیے مسائل کھڑے کرتی رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ خود چاہتی تھی سکندر اسے چھوڑ دے۔ اس وقت اس کے سر پہ پاگل پن سوار تھا۔

حقیقت سے کوسوں دور وہ رافع کے فریب کو محبت سمجھ کر اپنا گھر اجاڑنے کے درپہ تھی پر آج وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ سکندر کی اعلا ظرفی نے اسے ہرا دیا تھا۔ وہ اب بھی خود غرض تھی اب بھی فقط اپنے لیے ہی سوچ رہی تھی۔ رافع کے ہاتھوں دھتکارے جانے کے بعد اسے سکندر نے جس انداز میں سنبھالا تھا وہ اس کی احسان مند تھی۔

"تمہیں اپنی عیدی کیسی لگی۔" شہرینہ کی آواز پہ وہ اپنی سوچوں کے بھنور سے باہر نکلی۔

ساجدہ نے اس کے لیے ڈھیروں سامان اکٹھا کیا ہوا تھا۔ رنگ برنگی جھلملاتی ریشمی چوڑیوں پہ انگلیاں پھیرتے اسے سکندر بے تحاشا یاد آیا تھا۔ وہ پچھلے چار دن سے اس سے نہیں ملی تھی۔ آخری بار اس کی سکندر سے بات دو دن پہلے ہوئی تھی جب اس نے اپنے میکے آنے کی اجازت مانگنے کے لیے اسے فون کیا تھا۔ وہ بہت حیران ہوا تھا کیونکہ یہ سکندر کو اس کی پہلی کال تھی۔ وہ چار دن سے شہر سے باہر تھا۔ اس نے یہی سنا تھا کہ وہاں کام بہت زیادہ ہے لیکن پتا نہیں کیوں رباب کو لگتا تھا سکندر اس سے دور رہنا چاہتا ہے۔ "شاید وہ جلد مجھے چھوڑ دے"... یہ خیال اس کو اندر تک ہلا گیا تھا۔

"کن خیالوں میں گم ہو، سب ٹھیک ہے نا...."

شہرینہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ رباب نے شرمندہ نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھا جس کی زندگی بے سکون کرنے کی اس نے پوری کوشش کی تھی۔

"میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں شہرینہ' اپنی بے وقوفی میں بہت غلطیاں کی ہیں میں نے۔" رافع کی

جھوٹی محبت میں اندھی ہو کر اس نے سب کو ہی دکھ پہنچایا تھا لیکن سب سے زیادہ تکلیف اس نے جس کو دی تھی وہ اس کو معافی مانگنے کا موقع دینے کو بھی تیار نہیں تھا شاید اسی لیے اس سے دور چلا گیا تھا۔

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ سب کچھ نئے سرے سے شروع کرو۔ انسان خطا کا پتلا ہے ہم جلد بازی میں کچھ ایسی حماقتیں کر دیتے ہیں جو ہمارے اپنوں کی تکلیف کا باعث بنتے ہیں لیکن رباب صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ ہمارے دلوں میں تمہارے لیے اب بھی بہت جگہ ہے۔" وہ رباب کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس سے اس کا دہرا رشتہ تھا اور وہ اسے ہر طرح سے عزیز تھی۔ جن دو لوگوں سے اس کا تعلق تھا وہ اس کے بہت پیارے تھے۔ پھر وہ خود بھی محبت میں اس مرحلے سے گزر چلی تھی۔ سرفراز کی محبت میں وہ بھی تو بہت دور تک جا سکتی تھی مگر وہ خوش قسمت تھی' سرفراز محبت نبھانا جانتا تھا۔ اس نے اسے عزت اور مان کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔

"تمہاری سکندر بھائی سے بات ہوئی؟" رباب کے چہرے کی اداسی بڑھ گئی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"شاید سکندر تو میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔" اسے وہ وقت یاد آیا جب سرفراز اسے لینے آیا تھا سکندر دو دن سے شہر میں تھا اور وہ اس بار اس کی منتظر تھی۔ کبھی اس کی موجودگی اسے بے زار کرتی تھی اور اب کے اس کی غیر موجودگی اسے بے سکون کر رہی تھی۔ ساجدہ چاہتی تھیں کہ عید سے پہلے ایک دو دن وہ اس کے پاس رہے۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بے اختیار سکندر کو کال کی۔ شاید وہ اسے روک لے۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے' تمہیں اپنے پیرینٹس کے گھر جانے کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ تم جب تک چاہو وہاں رہ سکتی ہو۔" اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔ وہ شاید ساتھ ساتھ کوئی کام بھی کر رہا تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

رباب کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اسے سکندر کے لفظوں نے مایوس کیا تھا۔ اس دن کے بعد اس کے اندر شبہات اور وسوسے اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔

کیا وہ مجھے چھوڑ دے گا؟

نہیں، اس نے تو پہلے بھی مجھے نہیں چھوڑا پھر اب کیوں چھوڑے گا۔

ہاں، وہ مجھے نہیں چھوڑے گا کیونکہ اس طرح اس کی بہن کی زندگی متاثر ہو گی۔ رباب کے سینے سے سکون کا ایک سانس خارج ہوا تھا۔

لیکن کیا یہ صحیح ہو گا۔ کسی کی مجبوری بن کر اس کی زندگی میں رہنا کیا صحیح ہو گا۔ وہ اسے پہلے بھی اپنی موجودگی سے اذیت دیتی رہی تھی۔ اس وقت وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ اب اس کے ساتھ ہر حال میں رہنا چاہتی تھی اور اب بھی وہ اسے اپنی موجودگی سے تکلیف ہی دے گی۔

"میں نے سکندر کے ساتھ بہت برا کیا ہے، انہیں تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ وہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔" اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ شہرینہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"تم ابھی تک سکندر بھائی کو نہیں جانتی کیونکہ تم نے انہیں جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ سکندر بھائی ہیرے جیسا دل رکھتے ہیں۔ میں نے انہیں کبھی کسی سے خفا یا ناراض نہیں دیکھا۔ شکوہ شکایت کرتے نہیں دیکھا۔ ان کا دل بہت وسیع ہے اور اس میں ہم سب کے لیے بے تحاشا محبت ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں تمہارے لیے جذبات دیکھے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ تمہیں ضرور معاف کر دیں گے۔ تم اگر ان کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گی تو وہ تمہارا ہاتھ جھٹکیں گے نہیں۔" رباب نے پرامید نظروں سے شہرینہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پہ ستاروں سی چمک تھی۔

یہ سرفراز کی محبت کا مان تھا یا اس خوش خبری کی دمک جو اس گھر میں داخل ہوتے ساتھ اس تک پہنچی تھی۔ ماں بننے کی خوشی، تکمیل کا احساس اس کے ہر پہلو سے جھلک رہا تھا۔ رباب کا دامن ان سب خوشیوں سے خالی تھا۔

☼ ☼ ☼

افطار کے بعد وہ چھت پہ چلی آئی تھی۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی اور آج یہ وقت تھا کہ وہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی، سب سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ خاص طور پہ سکندر سے۔ چاند دیکھنے کا تو بس بہانہ تھا، وہ اس وقت کچھ لمحے تنہا گزارنا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کا خالی پن اسے بے چین کر رہا تھا۔ آسمان صاف تھا۔ ستارے ٹمٹما رہے تھے پر چاند کا نام و نشان نہیں تھا۔ تاریکی بڑھ رہی تھی اور اس کے ساتھ رباب کے اندر کا اضطراب بھی۔

"مجھے معاف کر دیں سکندر، میں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی ہے... میں سراب کو سچ جان کر اس کے پیچھے بھاگتی رہی اس حقیقت سے قطع نظر کہ محبت تو اپنا آپ نچھاور کرنے کی خاصیت رکھتی ہے۔ خود غرضی اور ضد، محبت نہیں ہوتی۔" وہ آنکھیں بند کیے خیالوں میں سکندر سے ہم کلام تھی۔ جو وہ اسے کہنا چاہتی تھی شاید کبھی کہہ پائے یا نہیں پر اس تنہائی میں وہ اسے سب بتا دینا چاہتی تھی۔ بے اختیار آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔ اچانک کسی کی گرم انگلیوں نے اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پہ سمیٹا۔ وہ اس مس سے آشنا تھی، اس نے اس شناسا وجود کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں اترتے محسوس کیا۔ یہ خوشبو اس کے کمرے، اس کے بستر، اس کے کپڑوں کا حصہ تھی، یہ خوشبو ہر جگہ تھی اور رباب کو یہ مہک اپنی لگتی تھی۔ سکندر کی طرح وہ اس مہک کی بھی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"آپ آ گئے؟" وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو آنا ہی تھا۔" بائیں ابرو استفہامیہ انداز میں اٹھائی۔

"سکندر مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ مضطرب تھی۔

"شش ـــ" اس کے گلابی ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اس نے اسے روکا۔ وہ اچانک چپ ہو گئی۔ سکندر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے شانوں کو پکڑا اور اس کا رخ موڑ دیا۔

"وہ دیکھو۔" رباب نے اس کی انگلی کے اشارے کی تقلید میں آسمان کو دیکھا جہاں پہلی تاریخ کا چاند چمک رہا تھا۔ عید کا چاند' امید کا چاند۔۔۔ اس کی روشنی مدھم سہی پر اس کو دیکھ کر پورا وجود دمکنے لگتا ہے۔ خوشی کی روشنی دل میں بھر جاتی ہے۔ رباب نے آنکھیں موند لیں اور ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔

سکندر اس کے بہت پاس کھڑا تھا اتنا کہ اس کا شانہ سکندر کے سینے پہ ٹکا تھا۔ دعائیہ انداز میں اٹھے اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے سکندر نے دو جڑاؤ کنگن اس کی مخملی کلائیوں میں پہنائے۔ رباب نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ سکندر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکراتے ہوئے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے اندر تک جھانکتی اس کی نظریں' رباب نے نظریں جھکا دیں۔ یہ آنکھیں جادو ٹونا کرنا جانتی تھیں۔ رباب کو ان جادوئی آنکھوں نے اپنے زیر اثر کر دیا تھا۔ اس کی دنیا بدل گئی تھی۔

"چاند نظر آگیا۔" سر جھکائے اس نے سکندر کا دھیان بدلنا چاہا۔ اس کے ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھوں میں تھے۔ نا اس نے چھوڑا نہ رباب نے چھڑانے کی کوشش کی۔

"مجھے بھی۔۔۔" سکندر کے ذو معنی الفاظ پہ رباب نے سر اٹھایا۔ وہ اس کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"تم سے بہت دیر تک خفا رہنا ممکن نہیں تھا۔" اس کے لہجے کا ٹھہراؤ رباب کو موم کی طرح پگھلا رہا تھا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ گھر چلتے ہیں۔ وہاں سب تمہارے منتظر ہیں۔" رباب کا سر سکندر کے شانے پہ ٹکا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔

"میں سب سے معافی مانگ لوں گی' سب کا بہت دل دکھایا ہے میں نے' کیا وہ مجھے معاف کر دیں گے؟" سکندر نے اثبات میں سر ہلایا۔ رباب نے پرسکون انداز میں ایک بار پھر سکندر کے سینے میں منہ چھپا لیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں آج کے بعد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی لیکن آپ کو بھی ایک وعدہ کرنا ہو گا' اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو مجھے معاف کر دیں گے۔" اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں خود کو محفوظ اور مطمئن محسوس کرتے اس نے خود سے عہد کیا۔

"وعدہ۔" اس کی کھلی ریشمی سیاہ زلفوں کو چوم کر سکندر نے تصدیق کی۔

